جلد 13 شمارہ 7 جون 2011ء رجب 1432ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

اللہ

محبت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

منشور دعوت

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِی الأَرْضِ إِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ
مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِی كِتَابٍ مُّبِيْنٍ

(ھود۔6)

ترجمہ

زمین پر کوئی چلنے والا جاندار نہیں مگر اِسکا رزق اللہ کے ذمے ہے۔
وہ اس کے مستقل اور عارضی ٹھکانے کو جانتا ہے۔
سب کچھ کتاب روشن میں ہے۔

ماہنامہ
آدمیت
فلاح
گوجرانوالہ
عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیادِ خواجہ عبدالحکیم انصاری رح
بانی سلسلہ

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
Mob: 0300-6493335

مدیر : احمد رضا خان
نائب مدیر : سید رحمت اللہ توحیدی
تقسیم کنندہ : نعمان احمد
0300-6452570
ڈیزائنگ اینڈ کمپوزنگ : محمد رفیق

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ کے لئے
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سکینڈری بورڈ)
وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835
055-4005431

رابطہ مدیر : 0321-6400942
فیکس نمبر : +92-55-3736841
ای میل : info@toheedia.net

قیمت شمارہ ———— -/30 روپے
سالانہ فنڈ ———— -/300 روپے

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

اس شمارے میں

دل کی بات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجلّہ فلاح آدمیت 'ماہ مئی' کے اداریہ میں آپ احباب کو مجلّہ فلاح آدمیت کی ممبر شپ مہم کے بارے میں بتایا گیا تھا۔ اس ممبر شپ مہم کے سلسلہ میں ہر حلقہ کیلئے اہداف طے کر کے خادمان حلقہ کو مطلع کر دیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ آپ بھائی ایک تحریک کی صورت میں ممبر شپ کیلئے کام کر رہے ہوں گے۔

آپ بخوبی آگاہ ہیں کہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیمات ہر لحاظ سے قومی، علاقائی، گروہی، فرقہ وارانہ، اور انتشار انگیز تعصبات سے بالاتر عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کی نوید ہیں۔ مجلّہ ''فلاح آدمیت'' انہی تعلیمات کا علمبردار ہے۔ گزشتہ کئی سالوں سے اس مجلّہ کی باقاعدہ ممبر شپ بہت کم ہونے کی وجہ سے 'حلقہ فنڈ' سے خطیر رقم خرچ کرتے ہوئے اس مجلّہ کی اشاعت کو یقینی بنایا جا رہا ہے، جس کا لازمی نتیجہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی دعوت کی توسیع کیلئے دیگر اقدامات سے محدود وسائل کے پیش نظر گریز کی صورت میں نکلتا ہے۔ ماہ مئی میں شروع ہونے والی یہ ممبر شپ مہم ماہ جولائی کے اختتام تک جاری رہے گی۔ اس ممبر شپ مہم کے تحت مجلّہ فلاح آدمیت اگست ۲۰۱۱ سے جولائی ۲۰۱۲ تک جاری کیا جائے گا۔ اس مہم کے دوہرے مقاصد ہیں۔ ایک تو یہ کہ مجلّہ ''فلاح آدمیت'' کی اشاعت وتقسیم کیلئے مجلّہ کی سالانہ ممبر شپ سے اخراجات پورے کیے جائیں جبکہ دوسرا مقصد توسیع دعوت سے متعلق ہے۔

اس مہم کے دوران آپ کی تذکیر کیلئے گذارش ہے کہ خادمان حلقہ کی راہنمائی میں ممبر شپ کیلئے اپنے ذاتی اہداف طے کیجئے۔ ایسے دوست احباب اور عزیز واقارب جو آپ کی سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے وابستگی سے آگاہ ہیں انہیں ممبر شپ کیلئے رضامند کیجئے۔ جو احباب آپ کی قربت کے باوجود ابھی تک سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے متعارف نہیں ہیں انہیں پہلے دعوت سے متعارف کرائیے۔ حلقہ فنڈ تو صرف مریدین سلسلہ ہی سے لیا جاتا ہے مگر مجلّہ فلاح آدمیت کی ممبر شپ

کیلئے کوئی ایسی پابندی یا ضابطہ نہیں۔ یہ دعوتی مجلّہ لینے کیلئے طالب دوستوں سمیت کسی بھی عام فرد سے کہا جاسکتا ہے۔ ہر فرد کے ذاتی روابط میں کئی لوگ ایسے ضرور ہیں جن کیلئے سالانہ تین سو روپیہ اِس کارِ خیر کیلئے خرچ کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ ان کے لئے ممبر شپ کو یقینی بنایا جائے۔ ادارہ فلاح آدمیت امت مسلمہ کا درد رکھنے والے، کسی نہ کسی انداز سے، کسی بھی پلیٹ فارم سے امت مسلمہ کی اصلاح وفلاح کیلئے کوشاں افراد تک بھی مجلّہ فلاح آدمیت پہنچانا چاہتا ہے۔ عوامی حلقوں میں مقبول افراد کے نام و پتہ جات بھی خادمان حلقہ کے ذریعے ارسال کیے جاسکتے ہیں۔ اور خادم حلقہ اِن افراد کو چھ ماہ کیلئے اعزازی مجلّہ کا اجراء کرواسکتا ہے۔ عوامی حلقوں سے ان افراد کے انتخاب میں کسی قسم کی مسلکی اور فرقہ ورانہ تقسیم کو قلب ونظر میں ہرگز جگہ نہ دی جائے۔ خادمان حلقہ ہر ہفتے حلقہ ذکر کے بعد ممبر شپ مہم کا جائزہ لیتے ہوئے ممبر شپ فیس اور پتہ جات اپنے حلقہ سے اکٹھے کر کے ماہانہ حلقہ فنڈ کے ساتھ مرکز تعمیر ملت ارسال فرمائیں۔ ایسے مقامات جہاں باقاعدہ حلقہ جات نہیں ہیں وہاں سے انفرادی طور پر ممبر شپ فیس اور ممبر شپ کے پتہ جات حسب سہولت مرکز تعمیر ملت ارسال کیے جائیں۔

اللہ تعالیٰ اِس نیک کام میں ہمارا حامی وناصر ہو۔ آمین

والسلام

مدیر

احمد رضا خان

درس قرآن

لقمان

(ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک)

نام

سیدنا لقمان کی نصیحتوں کا تذکرہ اس سورۃ میں ہے۔ اِسی مناسبت سے لقمان نام قرار دیا گیا۔

زمانہ نزول

اِس سورۃ کا نزول اِس دور میں ہوا جو مکہ میں مسلمانوں پر مصائب کا دور تھا اور والدین کے حقوق کے حوالے سے نوجوانوں کو دین اسلام سے روکنے کی سازش تیار کی گئی تھی۔ اِس سورۃ میں بتایا گیا کہ والدین کے سارے حقوق ادا کرنا مومن پر لازم ہے مگر والدین کے حکم پر شرک نہیں اپنایا جاسکتا۔

مضامین

توحید کی سچائی اور معقولیت، شرک کی نامعقولیت ولغویت کے ذکر کے بعد آباؤ اجداد کی اندھی تقلید سے روکا گیا اور اِن تعلیمات پر غور و تدبر کی دعوت دی گئی جو محمد کریم ﷺ پیش کر رہے ہیں۔ اِس سلسلے میں قدیم فلسفی سیدنا لقمان کے اقوال کا ذکر کیا گیا کیونکہ واقعاتِ گزشتہ اور ضرب الامثال بات کی وضاحت میں مفید کردار ادا کرتے ہیں۔ اور اِس دور میں لقمان کی حکمت و دانش کا ذکر اِس دور کے شعراء وخطباء کے ہاں مروج بھی تھا۔

اخلاقیات کے ضمن میں اقامتِ صلوٰۃ، زکوٰۃ کی ادائیگی، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، صبرو شکر، اعمالِ صالحہ اور اطاعت والدین کا ذکر ہے جبکہ تکبر، شرک، کفر، گمراہی اور دین کے استہزاء سے رُکنے کی تلقین کی گئی ہے۔

تفسیر

الٓمّٓ (1) تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ (2) هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ (3)

الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ (4) أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (5)

''یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں۔ نیکو کاروں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔ جو نماز کی پابندی کرتے، زکوٰۃ ادا کرتے اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔ یہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی نجات پانے والے ہیں''۔ (لقمان:1-5)

نیکوکار کون؟

سورۃ کا آغاز قرآنِ مجید کی عظمت اور ثمرات کے ذکر کے ساتھ ہے کہ یہ کتاب صرف نیکوکاروں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔ اِس مقام پر ایک وضاحت ضروری ہے کہ نیکوکار کون ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ نیکوکار ایک مافوق الفطرت قسم کا انسان ہوتا ہے جس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا حالانکہ نیکوکار سے مراد وہ شخص ہے کہ جو نیکی کے کاموں کا عزم کرلے اور اِس کے مختلف درجات ہیں:۔

1۔ ایک کافر کی نیکی یہ ہے کہ وہ ہدایت کی تلاش میں نکل کھڑا ہو۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ ضرور ہدایت عطا فرما دیتا ہے۔

2۔ ایمان کی قبولیت کے بعد نیکی یہ ہے کہ آدمی ارکان اسلام پر کاربند ہوجائے۔

3۔ اور پھر ہر لمحہ سنت و مستحبات کا اِہتمام اِس انداز سے کرے کہ اِس کی اپنی شخصیت و ذات فنا ہوجائے اور وہ خالق کے احکام اور سنت نبویؐ پر چلتا پھرتا نمونہ نظر آئے۔

عام طور پر ہم نیکوکار کے آخری معنی کو لے لیتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ نیکوکار کو مزید کیا ہدایت ملے گی؟ یہ بات اِس انداز سے درست نہیں۔ اِس لئے قرآنِ مجید ہر انسان کیلئے وہ چاہے جس درجہ اور جس مقام پر بھی ہے، ہدایت اور رحمت ہے۔ بس ضرورت اِس بات کی ہے کہ اِس کی طلب پیدا ہوجائے اور پھر یہی طلب کامیابی کی تمام منازل سے ہمکنار کرے گی۔

بدکرداری کے علمبردار

اِس کے بعد اِن لوگوں کا ذکر ہے جو اِس طلب رحمت کے جذبہ کو ختم کرنے یا کم از کم بہکانے کیلئے مختلف حربے اختیار کرتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُواً أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ (6) وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّىٰ مُسْتَكْبِراً كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ وَقْراً فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (7)

''اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو بے ہودہ حکایات (وآلات) خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کی جہالت کے سبب اللہ کے راستے سے گمراہ کریں اور اِس سے استہزاء کریں۔ یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا اور جب اِن کو ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو اکڑ کر منہ پھیر لیتے ہیں۔ گویا اِن کو اس نے سنا ہی نہیں جیسے اِس کے کانوں میں بوجھ ہو۔ اِن کو درد دینے والے عذاب کی خوشخبری سنا دو'' ۔ (لقمان 6-7)

اِس میں وہ سارے لوگ شامل ہیں جو ایسے آلات بناتے، خریدتے اور اِستعمال کرتے ہیں جن کے باعث انسان کو گمراہی کے راستوں پر دھکیلا جا سکے۔ اِس آیت کے ذیل میں مفسرین و محدثین نے آلاتِ مزامیر (گانے بجانے کے آلات) اور اِس احکامات اور کہاوتوں کو شمار کیا ہے جن کی لذت وسرور میں عام انسان بہ جاتا اور احکامِ الٰہی سے دور ہو جاتا ہے۔ اِس قسم کے لوگوں کیلئے دو قسم کے عذاب کا ذکر ہوا ہے:۔

نمبر 1۔ ذلیل کرنے والا عذاب۔

نمبر 2۔ دردناک عذاب۔

اور آج ہماری اکثریت اِسی گمراہی و ضلالت کی راہ پر چلتی ہوئی اپنے عبرت ناک انجام کو قریب کر رہی ہے۔

اثباتِ توحید اور لقمان

اِس ذکر کے بعد توحید کے اثبات اور شرک کی تردید پر دلائل ہیں اور پھر سیدنا لقمان کی نصیحتیں ہیں۔ یہ لقمان کون تھے؟ مفسرین نے لکھا ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کے دور میں یہ حبشی غلام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت و دانش سے نوازا تھا۔ یہاں اِن کی اِن نصیحتوں کا ذکر ہے جو اُنہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔

لقمان کی نصیحتیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِکْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ
عَظِيمٌ (13) وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْناً عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي
عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْکَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ (14) وَإِن جَاهَدَاکَ عَلى أَن
تُشْرِکَ بِي مَا لَيْسَ لَکَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفاً
وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (15) يَا
بُنَيَّ إِنَّهَا إِن تَکُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُن فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَاوَاتِ أَوْ
فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ (16) يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ
بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَکَ إِنَّ ذَلِکَ مِنْ عَزْمِ
الْأُمُورِ (17) وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً إِنَّ اللَّهَ لَا
يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ (18) وَاقْصِدْ فِي مَشْيِکَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِکَ إِنَّ
أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ (19)

''یاد کرو جب لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا کہ بیٹا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے۔ اِس کی ماں نے ضُعف پر ضُعف اُٹھا کر اِسے اپنے پیٹ میں رکھا۔ اور دو سال تک اِس کا دودھ چھوٹنے میں لگے، اور ہم نے اِس کو یہ تاکید کی کہ میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجا لا۔ میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔ لیکن والدین اگر تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ کسی ایسے کو شریک کرے جس کو تو جانتا نہیں تو اِنکی بات ہرگز نہ مان۔ دنیا میں اِنکے ساتھ نیک سلوک کر۔ مگر پیروی ایسے شخص کے راستے کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔ پھر تم سب کو پلٹنا میری ہی طرف ہے۔ اِس وقت میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے ہو۔ اور لقمان نے کہا تھا کہ بیٹا کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو اور کسی چٹان میں یا آسمانوں میں یا زمین میں کہیں چھپی ہوئی ہو، اللہ اِسے نکال لائے گا، وہ باخبر ہے۔ بیٹا نماز قائم کرنے کا حکم دے۔ بدی

سے منع کر اور جو مصیبت بھی پڑے، اِس پر صبر کر۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔ لوگوں سے منہ پھلا کر بات نہ کر۔ نہ زمین پر اکڑ کر چل۔ اللہ کسی خودغرض اور فخر کرنے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی چال میں اعتدال پیدا کر اور اپنی آواز پست رکھ اور سب آوازوں سے زیادہ بری آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے''۔ (لقمان 13-19)

یہ لقمان کی نصیحتیں ہیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی ہیں اِس میں شرک سے روکنا اور توحید کی طرف بلانا ہے۔ اِس کے بعد والدین کے حقوق اور ان سے نرمی کا حکم ہے اور فرمایا کہ خدا ناخواستہ وہ تجھے دینِ حق سے ہٹائیں تو دُنیوی معاملے میں ان کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ لیکن پیروی اِن کی بجائے اللہ والوں کی کرو اور فرمایا کہ تم جیسے بھی اعمال کرو گے، جہاں کہیں بھی کرو گے، وہ اعمال آسمانوں میں ہوں، زمین میں ہوں یا کسی چٹان میں ہوں، وہ نہ اللہ تعالیٰ سے چھپے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ انہیں بھولے گا، وہ انہیں نکال کر لے آئے گا۔

نماز امر بالمعروف، نہی عن المنکر، صبر اور اخلاقِ حسنہ کی تلقین کی کہ لوگوں کے ساتھ بات کریں تو اس طرح سے نہیں کہ اِس میں تکبر کا پہلو ہو اور چال ڈھال بھی ایسی نہ ہو جس میں تکبر کا پہلو ہو۔

بات اتنی سی ہے اے واعظ افلاک نشیں
کیا ملے گا اسے یزداں جسے انسان نہ ملا

توحید اور روایت پرست جاہلوں کا کردار

اِن نصیحتوں کے بعد پہلے مسئلہ توحید کی عظمت کا اُجاگر کیا اور روایت پرست جاہلوں کی ایک بات بیان فرمائی:۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ (21)

''اور جب اِن سے کہا جاتا ہے کہ جو کتاب اللہ نے نازل فرمائی، اِس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اِسی کی پیروی کریں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔ بھلا اگر شیطان اِن کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو (تب بھی؟) (لقمان: 21)

کفار کسی بھی دور کے ہوں، وہ تعلیماتِ حق کے مقابلے میں ہمیشہ یہی بات کہتے ہیں کہ ہم اِن روایات اور قدروں کو نہیں چھوڑ سکتے جو ہمارے باپ دادا کی ہیں۔ اِن کو سمجھایا گیا کہ غور کرو کہ اگر تمہارے باپ دادا کو شیطان نے بہکا رکھا ہو اور وہ دوزخ کے عذاب کی جانب بڑھ رہے ہوں اور تمہیں اِس بات کا پتا بھی چل جائے تو پھر کیا کرو گے؟

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خود کشی
رستہ بھی چھوڑ خضر کا ، دریا بھی چھوڑ دے

نیکوکاروں کا انجام

اِس کے بعد راہِ حق کے اپنانے والوں کا انجام مذکور ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَمَن يُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ ۝

''اور جس شخص نے اپنا آپ اللہ کے حوالے کر دیا اور نیکو کاروں میں رہا تو اِس نے مضبوط دستاویز ہاتھ میں لے لی۔ (لقمان-22)

گویا نجات کا راستہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ مضبوط دلائل والی کتاب پر گامزن ہو جاؤ۔ اور بایں ہمہ اگر کچھ لوگ کفر پر اڑے رہیں تو اِن کے ساتھ اللہ تعالیٰ خود نپٹ لے گا۔ کیونکہ جب اِن سے آسمان و زمین اور دیگر مخلوقات کی تخلیق کی بابت سوال کیا جا سکتا ہے تو وہ یہ اقرار کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کاریگری کے نمونے ہیں۔ مگر عبادت میں شرک کرتے اور گمراہی اپناتے ہیں۔

صفاتِ الٰہیہ کا لامتناہی ہونا

پھر بتایا کہ زمین کے سارے درخت قلم اور سمندر روشنائی بن جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ زمین و آسمان اور ساری مخلوق کی تخلیق اللہ کے ہاں اِس قدر ہی ہے جیسے ایک انسان کا پیدا کرنا۔

ہم خاک کے پتلوں نے جو کچھ تجھے سمجھا ہے
تو اِس سے بھی برتر ہے، تو اِس سے بھی اعلیٰ ہے

وہ قادرِ مطلق ہے اِس نے رات دن، سورج، چاند، کشتی، دریا، سمندر سبھی کچھ ہمارے تابع کر دیا ہے تاکہ ہم اِن سے فوائد حاصل کریں۔ لیکن انسان ناشکرا اور ناقدرا ہے۔ وہ جب مصائب و مشکلات میں گھر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دُعا مانگتا ہے اور جب نجات مل جاتی ہے تو پھر بہک جاتا ہے۔

برائی سے بچنے کیلئے ڈھال

اِن حقائق کے اظہار کے بعد انسان کو ایک ایسی بات کہی جو انسان کو گمراہی میں ضلالت سے بچنے میں حد درجہ معاونت بہم پہنچاتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْماً لَّا يَجْزِي وَالِدٌ عَن وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَن وَالِدِهِ شَيْئاً إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ۝

"لوگو! اپنے رب کے غضب سے بچو اور ڈرو اس دن سے جبکہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ نہ دے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی اپنے باپ کی طرف سے کچھ بدلہ لینے والا ہوگا۔ فی الواقع اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس یہ دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے۔ اور نہ دھوکہ باز تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکا دینے پائے"۔ (لقمان:33)

دھوکا باز سے مراد انسان کا کھلا دشمن یعنی شیطان ہے جو انسان کو بے بنیاد اُمیدیں فراہم کر کے عمل اور جدوجہد سے غافل کر دیتا ہے۔ ایک خطرناک دھوکہ یہ ہوتا ہے کہ فلاں حضرت کی اِرادت کام آئے گی، وہ آخرت میں دستگیری فرمائیں گے اور حساب و کتاب کی نوبت ہی نہ آنے دیں گے۔ آیتِ مذکورہ میں اِس بات پر زور دیا گیا ہے کہ پیر صاحب کا رشتہ تو دور کا ہے، یہاں صورتِ حال یہ ہے کہ باپ اپنے بیٹے کے اور بیٹا اپنے باپ کے کام نہیں آسکے گا۔ ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہوگا۔ ہر شخص اپنا بوجھ خود اُٹھائے گا۔

ایسی صورتِ حال میں بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کسی کے آنے کی مجال نہیں اِلّا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود چاہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تن تنہا خود جواب دہ ہے۔ چنانچہ ایک ہی حل ہے کہ ہر

شخص الگ الگ خود اپنے طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا معاملہ سیدھا کر لے اور اپنے رب کے غضب سے ڈر کر رہے۔

قیامت

قیامت کے بارے میں فرمایا کہ اِس دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ کوئی کسی کا بدلہ نہیں بنے گا۔ کسی کے عمل کی سزا کوئی اور شخص نہیں اُٹھائے گا۔ کسی شخص کا عمل کسی دوسرے شخص کے عمل کیلئے گناہ کے لئے کفارہ نہیں بنے گا۔ ہر شخص اپنے اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہوگا اور تنہا اللہ کے سامنے پیش ہوگا۔ یہاں عیسائیت کا وہ مشہور عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صلیب پر لٹک کر خود جان دے کر سب لوگوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا، غلط ثابت کیا گیا۔

اِسی لئے فرمایا کہ یہ دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے۔ یہاں کے غلط عقائد تمہیں دھوکے میں نہ ڈالیں۔ یہ غلط عقائد گھڑنے والا شیطان ہے جو دھوکے باز ہے اور تمہیں دھوکے میں رکھ رہا ہے کہ میرے گناہ کا کفارہ یا کسی کی سفارش یا کسی کا آستانہ میرے کام آجائے گا۔ یقین کر لیجئے کہ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ صرف اپنے عمل اور اللہ تعالیٰ رحمت کام آئے گی۔

حقیقی اور کامل علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

اِس سورۃ کی آخری آیت میں اِن پانچ چیزوں کا ذکر ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَداً وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ○

”بلاشبہ اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحم میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ بلاشبہ اللہ سب باتوں کو جاننے والا باخبر ہے“۔ (لقمان-34)

1۔ قیامت

2۔ بارش کا اُترنا۔ یہاں یہ اعتراض ممکن ہے کہ محکمہ موسمیات والے کچھ پیش گوئیاں کرتے ہیں تو یاد رکھئے کہ بارش کے نازل ہونے کے ذکر میں صرف بارش کے نزول اور پیش گوئی نہیں بلکہ بارش کی مقدار، مقام، وقت بارش کے پانی کے فوائد و نقصانات اور اِس کے اثرات بھی کچھ مراد ہیں۔

3۔ حاملہ کے پیٹ میں کیا ہے؟ اِس سلسلے میں الٹرساؤنڈ (Ulterasound) ایک طبی آلہ ہے جس سے جنین کے بارے میں معلومات حاصل ہو جاتی ہیں مگر یہاں مراد یہ ہے کہ اس حاملہ سے پیدا ہونے والا، زندہ رہے گا یا نہیں۔ کتنی زندگی پائے گا، کیا عمل کرے گا؟ کیا کمائے گا اور کیا کھائے گا۔ اِس کا نزول و قیام کتنا، کہاں کیسے اور کب ہوگا وغیرہ! یہ سبھی چیزیں مراد ہیں۔

4۔ کل کیا ہونے والا ہے؟ ہر متنفس کے آئندہ دن اور زندگی کے معمولات کیا ہوں گے؟ گو کہ ہم پروگرام مرتب کرتے ہیں مگر وہ پروگرام اکثر خراب بھی تو ہو جاتے ہیں گویا ہم اپنے پروگرام حتمی طور پر ترتیب نہیں دے سکتے۔ اِسی لئے علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ **عرفت ربی بفسخ العزائم** ”میں نے عزائم کے پورا نہ ہونے سے اللہ تعالیٰ کو پہچانا“۔

یعنی ہم نے پروگرام بھی ٹھیک ٹھاک بنایا تھا۔ عزم بھی پختہ تھا۔ اسباب بھی فراہم کر لئے تھے۔ کوئی وجہ نہ تھی کہ ہم اپنے عزم میں کامیاب نہ ہوتے مگر عملاً یہ دیکھا کہ کسی غیبی طاقت نے سارا کھیل بگاڑ دیا، اسباب بے وقعت ہو کر رہ گئے، پروگرام دھرا کا دھرا رہ گیا اور عزم پورا نہ ہوا۔ یہ غیبی طاقت سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کون ہو سکتا ہے؟

5۔ کسی متنفس کی موت کہاں آئے گی؟

اِس کا علم حاصل کرنے میں تو انسان مکمل طور پر عاجز ہے۔

درس حدیث

ہر بات میں روشن پہلو

(مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی)

سیدنا صہیبؓ حضور اکرم ﷺ کا ایک فرمان یوں نقل کرتے ہیں:۔

عجبا لا مر المومن، ان امرہٗ کلہ لہ خیر، ولیس ذٰلک لا حد الا للمومن، ان اصابتہ سرا ء شکر فکان خیرا وان اصابتہ ضراء صبر فکان خیرا۔ (رواہ مسلم)

"مومن کی بھی عجیب شان ہے جس کی زندگی کا ہر پہلو اِس کیلئے بھلائی ہے، اور یہ شرف مومن کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں۔ اگر اِسے کوئی مسرت حاصل ہو تو وہ شکر ادا کرتا ہے اور اگر تکلیف پہنچے تو صبر سے کام لیتا ہے اور یہ دونوں کیفیات اِس کیلئے خیر ہی ہوتی ہیں"۔

یہ پوری کائنات ایک متحرک اور DYNAMIC نظام ہے جس کی حرکت فطری طور پر ارتقائی واقع ہوتی ہے۔ ایک پہیہ جب زمین پر گردش کرتا ہے تو بار بار اِس کا بالائی حصہ نیچے آتا ہے اور نچلا حصہ اوپر کو جاتا ہے۔ اِسی متحرک نشیب و فراز کے صدقے میں وہ پہیہ آگے بڑھتا جاتا ہے۔ اگر پہیے کا ایک حصہ ہمیشہ اوپر اور دوسرا دائماً نیچے رہے تو اِس میں حرکت کی بجائے سکون اور ارتقاء پیدا ہو جائے گا۔ اگر دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن نہ آئے تو نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے ہر شے کا وجود متضاد عناصر کے ٹکراؤ یا متخالف قوتوں کے امتزاج کی بدولت قائم ہے۔ اِنسانی زندگی کا تقدم وارتقا بھی اِسی قسم کے متباین حالات و کیفیات کے امتزاج پر موقوف ہے۔ کبھی حکومت ہے کبھی محکومی، کبھی عزت ہے کبھی ذلت، کبھی راحت ہے کبھی غم، کبھی کامیابی ہے کبھی ناکامی، کبھی مصیبت ہے کبھی راحت، کبھی مرض ہے کبھی صحت، کبھی زندگی کبھی موت۔ قطع نظر اِس سے کہ ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کی بقا بھی ضد کی وجہ سے ہے۔ دنیا کا نظام ہی ایجاد و سلب کی امتزاجی گردشوں پر قائم ہے۔ اِس مضمون کو قرآن کریم یوں بیان فرماتا ہے۔

توتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء

و تـذل من تشاء بیدک الخیر ۔۔ تـولـج الیل فی النہار و تولج النہار فی الیل و تخرج الحی من المیت و تخرج المیت من الحی۔

''اے اللہ تو جسے چاہتا ہے بادشاہی بخشتا ہے اور جس سے چاہتا ہے بادشاہی چھین لیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ خیر تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔۔۔ تو رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور زندے کو مردے سے اور مردے کو زندے سے نکالتا ہے''۔

اِن دونوں آیتوں میں جو نکتہ خاص طور پر قابل غور ہے وہ لفظ ''بیـدک الـخیر'' ہے۔ ایتائے ملک ونزع ملک، اعزاز واذلال، ایلاج لیل، ایلاج نہار، اخراج حی واخراج میت، یہ سب پیہم گردشیں اور مسلسل انقلابات ہیں۔ لیکن اِس مشیت وقدرت کو ہمہ تن ''خیر'' ہی کہا گیا ہے۔ اگر یہ مدو جزر اور یہ نشیب وفراز کچھ بھی حامل شر ہوتے تو ''بیـــدک الـــخیـــر و الشر'' کہا جاتا اور صرف ''بیدک الخیر'' پر اکتفانہ کیا جاتا۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ سب کچھ خیر ہی ہے تو پھر ''شر'' کیا ہے؟ کہاں ہے؟ اور اِس کی کیا حقیقت ہے؟ یہ بڑا کٹھن سوال ہے۔ مختصراً یوں سمجھنا چاہیے کہ خیر مطلق اور شر مطلق کا دنیا میں کہیں وجود نہیں۔ ہر خیر کے ساتھ شر اور ہر شر کے دامن سے خیر وابستہ ہے۔ جہاں بلندی ہے وہیں اِس کے پہلو بہ پہلو پستی بھی ہے اور جہاں برائی ہے وہیں بھلائی بھی موجود ہے۔ ہر شے کے اندر بیک وقت خیر وشر کے دونوں رُخ موجود ہیں۔ اب یہ انسان کا کام ہے کہ ہر شے کے اندر اپنے لئے خیر کا پہلو تلاش کرے اور شر سے بچ نکلے۔ شر سے وہ پھر بھی نہ بچ سکے گا۔ یعنی اِس اختیار خیر اور اِس اجتناب شر میں بھی ایک پہلو خیر کا اور دوسرا شر کا ہوگا۔ اب اِسے پھر یہاں بھی شر سے بچ کر خیر کو سمیٹنے کیلئے جدوجہد کرنی پڑے گی اور یوں ہی مسلسل وہ خیر کی طرف بڑھتا جائے گا۔

تا آنکہ خیر مطلق ۔۔۔۔۔ اللہ ۔۔۔۔۔ تک پہنچ جائے۔ یہی وہ ''قدر الاقدار'' ہے جو نصب العین حیات ہے۔

غرض اِس جامع الاضداد زندگی میں اور اِس زندگی کے ہر قدم پر جو چیز بھی آئے گی وہ تنہا نہ ہوگی بلکہ اپنی نقیض کے ساتھ ساتھ ہوگی۔ زندگی ہے تو موت بھی ہوگی۔ فارغ البالی ہے تو تنگ

دستی بھی قطعی ہوگی۔ خوشی ہے تو غم بھی لازمی ہے۔ راحت ہے تو رنج بھی ضروری ہے۔ کامیابی ہے تو ناکامی بھی یقینی ہے۔ غرض دونوں نقیضین پہلو بہ پہلو ساتھ ساتھ آتے ہیں۔

پھر ایک پہلو بجائے خود بھی اپنے اندر خیر و شر کے دونوں پہلوؤں کا حامل ہوگا۔ زندگی بھی حامل خیر و شر ہے اور موت بھی۔ فارغ البالی بھی اور تنگدستی بھی۔ خوشی میں بھی خیر و شر کے دونوں پہلو موجود ہیں اور رنج میں بھی۔ پھر اِس ایک چیز کے اندر خیر و شر کے دونوں پہلوؤں میں بھی نہ خیر مطلقاً خیر ہے اور نہ شر ہمہ تن شر۔ بلکہ ہر خیر بھی کسی نہ کسی شر سے وابستہ ہوگی اور ہر شر کے ساتھ کوئی نہ کوئی خیر چپکی ہوئی ہوگی۔ خیر و شر کی ثنویت کا یہ لامتناہی سلسلہ اِس وقت تک یوں ہی جاری رہے گا جب تک یہ دوئی وحدتِ محضہ اور خیر مطلق میں تبدیل نہ ہو جائے۔

غرض جب خیر کو سمیٹنے اور مسلسل پے در پے یکے بعد دیگرے خیر کو سمیٹتے رہنے میں بھی شر سے مکمل اجتناب ممکن نہیں تو سوال یہ ہے کہ انسان پھر کیا کرے؟ کہاں جائے؟ کیا وہ محض اِس خیال سے کہ شر سے پورے طور پر بچنا ناممکن ہے، زندگی اور زندگی کے کاروبار اور سعی و جہد سے دست بردار ہو جائے، مایوس ہو کر بیٹھ جائے؟ ساری عمر اِس غم میں گھلتا رہے کہ شر سے بچنا ناممکن ہے؟ یہی سوال ہے جس کا زیر بحث حدیث میں جواب دیا گیا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ ہر حال میں جہاں تاریک پہلو نظر آتے ہیں وہاں کچھ روشن بھی موجود ہیں۔ تاریک پہلوؤں کی زد سے کلیتہً محفوظ رہنا ممکن ہے۔ اِس لئے اپنی نظر روشن پہلوؤں پر رکھو۔ زندگی کی تعمیر اور خیر مطلق کی طرف ارتقا صرف تاریک پہلوؤں پر نظر جمائے رکھنے سے ممکن نہیں۔ اِس کیلئے سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ شر سے اعراض اور پہلو تہی کرو، تاریکیوں کی طرف سے صرف نظر کر کے قلب و نظر کو روشنیوں کی آماجگاہ بناؤ۔ اگر خوشی و مسرت کا موقع ہے تو اِس کا بہترین مصرف ''شکر'' ہے اور اگر رنج و زیاں کا سامنا ہو تو وہاں ''صبر'' سے بہتر اس کا اور کوئی مصرف نہیں ہو سکتا۔ سراء و ضراء (سود و زیاں) کے یہ دونوں موقعے ایسے ہیں جن کا روشن پہلو یہی ''شکر و صبر'' ہے۔ یہ دونوں ایسے بلند اقدار ہیں جو ہمہ تن خیر ہی خیر ہیں۔ ہمہ تن خیر کا یہ مطلب نہیں کہ شکر و صبر خیرِ مطلق ہیں اور ان میں کسی طرح کا کوئی شر نہیں۔ شر کا کوئی نہ کوئی پہلو شکر و صبر میں بھی ہو سکتا ہے، لیکن پھر بھی ایسی خیر غالب جو خیر مطلق کی طرف صعود کرنے کا ذریعہ ہو شکر و صبر ہی میں ہو سکتی ہے۔ اگر سراء کے موقع

پر نا شکری کرے اور بموقع ضراء بے صبری ہو تو خواہ ان دونوں میں کوئی پہلوئے خیر بھی ڈھونڈ نکالا جائے لیکن بہر حال یہ ہوگا شر غالب، اور یہ خیر مطلق کی بجائے شر ہی کی طرف لے جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضورﷺ نے شکر سراء کو بھی "فکان خیرا" فرمایا ہے اور صبر ضراء کو بھی "فکان خیرا" ہی کہا ہے۔

سراء میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جن کے حصول سے۔۔۔خواہ خواہش کے بعد حاصل ہوں یا بلا خواہش۔۔۔انسان کو مسرت و خوشی ہوتی ہے۔ اسی طرح ضراء میں ہر وہ شے داخل ہے جس کے آنے سے انسان کو صدمہ و رنج ہوتا ہے۔ اِن دونوں کو ہم آسان لفظوں میں "سود و زیاں" کہتے ہیں۔ اِن دونوں کے وجود کیلئے کوئی مادی معیار نہیں مقرر کیا جا سکتا۔ اِس کا مقیاس صرف احساسِ انسانی ہے۔ اِس احساس کے مختلف رُخ ہوتے ہیں۔ جو لوگ قنوطی (Pessimist) ہوتے ہیں وہ ہر چیز میں۔۔۔خواہ خوشی ہی کی بات کیوں نہ ہو۔۔۔اپنے لئے رنج و فکر کا کوئی پہلو تلاش کر لیتے ہیں اور اِس پر رونے بیٹھ جاتے ہیں۔ اور جو لوگ رجائیانہ (Optimistic) نقطہ نگاہ رکھتے ہیں وہ زیاں کے اندر بھی روشن پہلو تلاش کر کے روحانی تسکین حاصل کر لیتے ہیں۔ یہی روحانی بالیدگی انسان کو آگے سے آگے بڑھاتی چلی جاتی ہے۔ یاس انسان کو بٹھا دیتا ہے اور رجا آگے بڑھاتی ہے۔ اسلام انسان کو رجائی بنانا چاہتا ہے اور حضورﷺ کی یہ حدیث یہی پیغام دے رہی ہے کہ ہر حال میں اپنے لئے وہی پہلو تلاش کرو جو زندگی کو مایوسی کے غار میں نہ دھکیلے بلکہ اُمید و رجا کی بلندیوں کی طرف لے جائے۔ قرآن نے اِسی لئے فرمایا ہے کہ **لا تقنطوا من رحمة الله** اور **ولا تیئسوا من روح الله** رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہو۔ خوشی و غم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ سراء و ضراء، سود و زیاں، یسر و عسر تو ایک دوسرے کے توأم ہیں۔ یہ زندگی میں یکے بعد دیگرے اِسی طرح آتے ہی رہیں گے جس طرح دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن آتے رہتے ہیں۔ تم دن سے بھی فائدہ اُٹھاؤ اور شب سے بھی، سود سے بھی اور زیاں سے بھی، زندگی سے بھی اور موت سے بھی۔ اِس کیلئے صرف وجہت قلب و نگاہ کو بدلنا پڑے گا، نفسیاتی تحریکات کی سمت تبدیل کرنی پڑے گی۔ ذہن کا رُخ بدلنا پڑے گا۔ بس ہر حال میں اعلیٰ اقدار پیش نظر رہیں۔ سراء میں شکر اور ضراء میں صبر۔۔۔اِس شکر کا

Scanned with CamScanner

مطلب لفظ ''الحمد اللہ'' کی تکرار نہیں اور نہ صبر کا مطلب مظلومانہ صورت بنا کے خاموش رہنا ہے۔ یہ دونوں چیزیں دراصل زندگی کے دو اعلیٰ رُجحانات (Attitudes) ہیں جو خوشی و رنج دونوں حالتوں میں دماغ کے توازن، کردار کے اعتدال، ہمت کی بلندی اور نفس کے مقابلے کیلئے انسان کو تیار رکھتے ہیں۔

موت کتنی بھیانک شے ہے لیکن حضور ﷺ نے اِس کے روشن پہلو کو بڑے عجیب انداز سے بیان فرمایا ہے کہ اگر مرنے والا برا ہے تو دُنیا کو اِس کی برائیوں سے نجات مل جاتی ہے اور اگر اچھا ہے تو مرنے والے کو دُنیا کی بہت سی برائیوں سے چھٹی مل جاتی ہے۔ غرض حدیث زیر بحث کی روح سے صرف سراء و ضراء کا مصرف بتانا نہیں بلکہ یہ ایک اصول ہے کہ ہر شے میں سے اپنے لئے روشن پہلو نکالو تا کہ زندگی کا رُخ صحیح اور ارتقاء کی طرف رہے۔

اِطلاع برائے فوت شدگان

☆ پروفیسر شبیر شاہد صاحب (چوک اعظم) کے بہنوئی رحیم بخش صاحب اور بھتیجا عابد حسین۔

☆ حاجی بشیر احمد بٹ صاحب (گوجرانوالہ) کے برادرِ نسبتی علی احمد جان۔

☆ احمد رضا خان (گوجرانوالہ) کے تایازاد بھائی طیب خان۔

گزشتہ ایام میں مندرجہ ذیل بھائی قضائے الٰہی سے اِنتقال کر گئے ہیں۔ تمام توحیدی بھائیوں سے استدعا ہے کہ مرحومین کے ایصال ثواب کیلئے دُعا فرمائیں۔ شکریہ!

رجوع الی اللہ

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

گذشتہ اُمتوں کا کردار

اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں نے اس کی بندگی اور اس کے دین کی پابندی کی طرف دعوت دی۔ جن اُمتوں نے اللہ تعالیٰ کے ان منتخب بندوں کی دعوت کو نہ صرف ٹھکرا دیا بلکہ انہیں طرح طرح کی اذیتیں بھی دیں۔ ان متکبرین کا اللہ ذوالجلال نے نام ونشان مٹا دیا۔ ان کے گھناؤنے کرداروں کی مناسبت کے لحاظ سے ہر اُمت کیلئے مختلف نوعیت کی سزا نافذ کی گئی۔

قرآن کریم میں اس کی تفصیل یوں آئی ہے۔

فَكُلًّا اَخَذۡنَا بِذَنۡۢبِهٖ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِ حَاصِبًا وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اَخَذَتۡهُ الصَّيۡحَةُ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ خَسَفۡنَا بِهِ الۡاَرۡضَ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اَغۡرَقۡنَا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظۡلِمَهُمۡ وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ۝ (العنکبوت۔40)

''پس ہم نے سب کو ان کے گناہ کے مطابق پکڑ لیا۔ ان میں کچھ تو ایسے تھے جن پر ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا اور کچھ ایسے تھے جن کو چنگھاڑ نے آ پکڑا اور کچھ ایسے تھے جن کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا۔ اور کچھ ایسے تھے جن کو غرق کر دیا اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ کے دین کا یہ بنیادی اصول ہے کہ آخرت میں مغفرت کا انحصار ایمان اور صالح اعمال پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی شان بیان کرنے کیلئے **اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** کی بار بار تکرار کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف زبان سے ایمان کا اقرار کرنے اور اوامر ونواہی کی پابندی سے دستبردار ہو جانے والے کبھی فلاح نہ پائیں گے۔ اس کج فہمی میں مبتلا ہو جانے والوں کو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ۝
(العنکبوت۔2)

''کیا لوگ یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیے

جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی"۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (البقرۃ۔8تا9)

"اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔ یہ اللہ کو اور مومنوں کو چکما دیتے ہیں مگر حقیقت میں اپنے سوا کسی کو چکما نہیں دیتے اور اس سے بے خبر ہیں"۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی رحمت فرماتے ہوئے امت مسلمہ کو ان قوموں کے حالات سے بھی آگاہ فرمادیا جو اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں تحریف اور آیات کی من مانی تاویل کرنے اور دین حق کے خلاف عقائد گھڑنے کی وجہ سے گمراہ ہوگئیں تاکہ ہم ان کی روش اور برے انجام سے بچ جائیں۔ اس ضمن میں یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور مغفرت کا دارومدار ایمان وعمل اور حسن کردار کی بجائے کسی خاص نسل سے تعلق رکھنے یا اپنے اپنے نبی کی نبوت کا زبانی اقرار کرلینے کو سمجھ لیا۔ آیئے ذرا کلام الٰہی میں ان قوموں کے اقوال وعقائد اور اللہ کے فیصلے ملاحظہ کریں اور اس تلخ حقیقت پر بھی غور کریں کہ کہیں ہم بھی ان "مَغْضُوْبِيْن اور ضَآلِّيْن" کی راہ پر تو نہیں چل نکلے:

"وہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ ہمیں چند روز کے سوا چھو ہی نہیں سکے گی۔ آپ ان سے پوچھئے کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے رکھا ہے کہ اللہ اپنے عہد کے خلاف نہیں کرے گا۔ نہیں بلکہ تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو جن کا تمہیں مطلق علم نہیں۔ ہاں جو برے کام کرے اور اس کے گناہ اس کو گھیر لیں تو ایسے لوگ دوزخ میں جانے والے ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنت کے مالک ہوں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے"۔ (البقرۃ۔80تا82)

"وہ کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی جنت میں نہ جائے گا۔ یہ ان کے باطل خیالات ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔ ہاں جو شخص اللہ کے آگے گردن جھکا دے اور وہ نیکوکار بھی ہو تو اس کا صلہ اس کے رب کے پاس ضرور ہے اور ایسے لوگوں کو نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے اور یہود کہتے ہیں کہ عیسائی راہ پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی راہ پر نہیں حالانکہ وہ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں۔ اسی طرح بالکل انہی

کی سی باتَ وہ لوگ کہتے ہیں جو علم سے عاری ہیں۔ تو جس بات میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اللہ قیامت کے دن اس کا ان میں فیصلہ کر دے گا"۔ (البقرہ 111 تا 113)

"یہ اس بات کے قائل ہیں کہ دوزخ کی آگ ہمیں چند روز کے سوا چھو ہی نہیں سکے گی اور جو کچھ یہ دین کے بارے میں بہتان باندھ رہے ہیں اس نے انکو دھوکے میں ڈال رکھا ہے تو اُس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ان کو جمع کریں گے اس روز جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور ہر نفس اپنے اپنے اعمال کا پورا بدلہ پائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا"۔ (ال عمران 24 تا 25)

"اے اہل یمان نجات نہ تو تمہاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔ جو شخص برے عمل کرے گا اسے اسی طرح کا بدلہ دیا جائے گا اور وہ اللہ کے سوا نہ کسی کو حمایتی پائے گا اور نہ مددگار اور جو نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان بھی ہو تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اور ان کی تل برابر بھی حق تلفی نہ کی جائے گی"۔ (النساء۔ 123 تا 124)

"جو لوگ مسلمان ہیں یا یہودی یا عیسائی یا صائبین ان میں جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھے گا اور عمل نیک کرے گا تو ایسے لوگوں کو صلہ ان کے رب کے ہاں ملے گا اور ان کو نہ کسی طرح کا خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہونگے"۔ (البقرۃ۔ 62)

اُوپر دی گئی آیات میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اعمال کو پس پشت ڈال کر بے بنیاد مفروضوں کے سہارے حصول جنت کی آسان راہیں تراشنے والوں کا ذکر کیا ہے وہاں ہر آیت میں اپنا قانون جزاء و سزا بھی واضح فرما دیا ہے تا کہ کسی بھی انسان کو کوئی غلط فہمی نہ رہے۔

ہمیں بھی اپنے انداز فکر اور طرز عمل کا جائزہ قرآن کریم کی روشنی میں لینا چاہیے تا کہ من گھڑت عقائد، بے عملی اور سُست روی کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے احکام پر حضور نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ کے مطابق عمل پیرا ہو جائیں اور دنیا و آخرت میں عزت و کامرانی حاصل کر سکیں۔

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اور شَدِیْدُ الْعِقَاب

انسان کی زندگی کا مقصود تو اللہ تعالیٰ کی محبت کے صراط مستقیم پر چلتے ہوئے اس کی رضا کا حصول ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ آئین حیات کے مطابق زندگی بسر کرنا ہر انسان کی ناگزیر ضرورت ہے تا کہ وہ اپنے عقائد درست کر کے تمام اعمال کو اپنے رب کے احکام اور حضور خیر الانام ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے سانچے میں ڈھال سکے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان اعمال پر چلنے کا حکم دیا ہے جو اس کی روح کو قوت اور بالیدگی عطا کرتے، قلب کو منور اور روشن

کرتے، دنیا کی محبت کم کرتے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے میں مدد دیتے ہیں اور اسے صرف ان کاموں سے بچنے کی تاکید کی ہے جو روح کو ضعیف وسقیم بناتے، دل کو زنگ آلود اور سیاہ کرتے، دنیا کی ہوا و ہوس بڑھاتے اور اللہ تعالیٰ سے غفلت اور دوری کا سبب بنتے ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور محبت کی بنا پر بتادیا حالانکہ وہ ہماری عبادت اور بغاوت ہر دو سے بے نیاز ہے۔ جو لوگ صدق دل سے اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کی نافرمانی کرنا تو درکنار اس کی رضا میں کاہلی اور سستی کو بھی روا نہیں رکھتے۔ وہ تو اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اور کام کاج کے دوران بھی اللہ تعالیٰ کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہر سانس کے ساتھ اس کا ذکر کرتے اور حضور رحمۃ للعلمین ﷺ کی اتباع میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کی کوشش میں سراپا عمل بنے رہتے ہیں۔ وہ ہر بھلائی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اسی پر بھروسہ کرتے، اس کی دی ہوئی ہر ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کرتے اور کبھی بھی حرف شکایت زبان پر نہیں لاتے ہیں۔ وہ ہر حال میں اپنے مالک سے خوش اور راضی برضا رہتے اور اس کے عطا کردہ نور سے دوسروں کو بھی راہ حق پر چلانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔

کار مرداں روشنی و گرمی است
کار دوناں حیلہ و بے شرمی است

مردان حق خود بھی صاحب نور و سرور و حضور ہوتے ہیں اور اپنے فیض اور قلبی توجہ سے دوسروں کے دلوں میں بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کی جوت جگا کر انہیں بھی اس راہ میں سرگرم عمل کر دیتے ہیں اور جو لوگ پست فطرت اور کم ہمت ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بے عملی کے لئے بہانے تلاش کرتے، مادی لذتوں کی محبت میں پریشان رہتے اور ذلت و پشیمانی اٹھاتے ہیں۔

اس تناظر میں اگر ہم اپنے گریبانوں میں جھانکیں تو صورت حال یہ ہے کہ ہمارے بہت سے مسلمان بھائی غلط عقائد، بے عملی اور غفلت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی مقرر کردہ حدود کو فراموش کر چکے ہیں۔ انہیں نہ تو اسلام کے بنیادی فرائض کی پابندی کا کبھی خیال آتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے منع کئے ہوئے کاموں کے ارتکاب سے کوئی خوف آتا ہے۔ ان کی زندگی کے کسی بھی پہلو میں اسلامی شریعت کی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔ وہ اپنی بے دینی کی ڈگر پر دن رات چلے جا رہے ہیں اور ہر نصیحت کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیتے ہیں کہ اللہ غفور رحیم ہے۔ گویا کہ ہم

جو جی چاہے کریں وہ ضرور ہم پر رحم فرما کر جنت میں داخل فرما دے گا۔ حالانکہ یہ انداز فکر انکی جہالت، نادانی اور قرآن حکیم کی تعلیم سے بے خبری کی دلیل ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ بے شک اللہ **غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ** ہے لیکن وہ **شَدِیْدُ الْعِقَاب** بھی ہے۔ کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ رحیم کریم ہونے کے باوجود اپنی مخلوق کو بیماریوں، وباؤں، فاقوں اور دیگر عذابوں میں بھی مبتلا کرتا رہتا ہے۔ قرآن مجید میں کتنی ہی قوموں کا ذکر ہمیں عبرت دلانے کے لئے کیا گیا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی نافرمانیوں کے سبب نیست و نابود کر دیا۔

اس بات میں تو کوئی شک و شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ وہ اپنی مخلوق سے ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے اور اس نے دائمی طور پر اپنی ذات کے لئے رحمت لکھ رکھی ہے۔ لیکن اس کی رحمت اور مہربانی کو قرآن و سنت کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے نہ کہ اپنی خواہشات کے مطابق ان کی تاویل کر کے بے عمل اور نافرمان بن جائیں۔ قرآن مجید میں ہمیں اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا گیا ہے کہ اللہ کی سزا بھی بڑی سخت اور دردناک ہے۔ ان دونوں پہلوؤں کو ساتھ ساتھ اور بار بار دہرایا گیا ہے اس لئے یہ روش کسی طور بھی مناسب نہیں کہ ہم اپنے مطلب کی آدھی آیت کو تو ورد زبان بنالیں اور دوسرے حصے سے چشم پوشی کر لیں۔ مندرجہ ذیل آیات قرآنی میں ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کس انداز سے اپنی دونوں صفات بیان فرما رہے ہیں۔

نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ۝ (الحجر۔ 49 تا 50)

"آپ میرے بندوں کو بتا دیں کہ بے شک میں بخشنے والا مہربان ہوں اور یہ بھی کہ بے شک میرا عذاب دردناک عذاب ہے"۔

اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (الاعراف۔ 167)

"بے شک تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے"

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ (الرعد۔ 6)

"بے شک تیرا رب لوگوں کے ظلم پر ان کو معاف کرنے والا ہے اور بے شک تیرا رب سخت عذاب دینے والا ہے"۔

اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ؕ
(المائدۃ۔98)

''جان لو کہ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے اور بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

برادران کرام یہ ہے قرآن کریم کی تعلیم جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دی ہے تا کہ اس کی صفات کو پہچانیں اور مغفرت کی پہلو کے ساتھ ساتھ اس کے سخت عذاب کو بھی پیش نظر رکھیں اور نفس کے دھوکے میں آ کر نافرمانی اور سرکشی کی روش اختیار نہ کریں۔

اب اللہ تعالیٰ نے اپنے غفور ورحیم ہونے کی جو تشریح قرآن کریم میں فرمائی ہے اس پر ایک نظر ڈالنے سے پہلے یہ سوچئے کہ کیا اس دنیا میں ہمارے اپنے بنائے ہوئے قوانین میں نیک و بد، وفادار و غدار اور امن پسند و قانون شکن انسان کے درمیان تمیز روا نہیں رکھی جاتی۔ یقیناً رکھی جاتی ہے اور رکھی جانی چاہئے کیونکہ یہ عدل کا تقاضہ ہے۔ تو پھر ہم اللہ احکم الحاکمین کے بارے میں کیونکر یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ اپنی راہ میں مال و جان نثار کرنے والے مومنین، نیکیوں کیلئے محنت کرنے والے صالحین، دنیا کی محبت سے بچنے والے متقین اور زمین پر فساد کرنے والے کفار اور نافرمان سرکشوں کے ساتھ ایک ہی جیسا سلوک کریگا۔ اس طرح کی غیر منصفانہ سوچ رکھنے والوں کی طرف اللہ تعالیٰ ایک سوال لوٹاتے اور پوچھتے ہیں۔

اَفَنَجۡعَلُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ كَالۡمُجۡرِمِيۡنَ ؕ مَا لَكُمۡ كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ ۚ

''کیا ہم حکم ماننے والوں اور گنہگاروں کو برابر کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے، کیسے یہ بات ٹھہراتے ہو''۔ (القلم 35 تا 36)

دین اسلام میں سب سے پہلی چیز ایمان محکم اور عقائد کی درستی اور آخری چیز ہے اخلاق کامل۔ اگر بنیادی عقائد ہی درست نہ ہوں تو اخلاق و کردار کیوں کر تعمیر ہو سکتے ہیں۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ قرآن کریم کی طرف رجوع کریں تا کہ خواہشات نفس کی پیروی اور گناہوں پر جسارت کرنے کی بجائے اپنا تزکیہ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکیں۔ اب دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے غفور ورحیم ہونے کی جو وضاحت فرمائی ہے وہ ہماری سوچوں سے کتنی مختلف ہے۔

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلۡ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ كَتَبَ رَبُّكُمۡ عَلٰى نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنۡ عَمِلَ مِنۡكُمۡ سُوۡٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ وَاَصۡلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ؕ (الانعام۔54)

"جب آپ کے پاس ایسے لوگ آیا کریں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو آپ ان سے کہا کریں کہ تم پر سلام ہو۔ تمہارے رب نے اپنی ذات پاک پر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔ کہ جو کوئی تم میں سے نادانی سے کوئی بری حرکت کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور نیکو کار ہو جائے تو بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰیo (طٰہٰ۔82)

"بے شک میں غفار ہوں اس کیلئے جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے پھر سیدھے رستے چلے"۔

وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْیَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِاللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًاo (النساء۔110)

"اور جو شخص کوئی برا کام کر بیٹھے یا اپنے حق میں ظلم کرلے پھر اللہ سے بخشش مانگے تو اللہ کو بخشنے والا اور مہربان پائے گا"۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌo (النحل۔119)

"پھر جن لوگوں نے نادانی سے برا کام کیا پھر اس کے بعد توبہ کی اور نیکوکار ہو گئے تو بیشک تمہارا رب اس کے بعد ان کو بخشنے والا اور ان پر رحمت کرنے والا ہے"۔

محولہ بالا آیات مبارکہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم زبان سے تو غفور و رحیم کا ورد کرتے رہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی روش پر بدستور چلتے رہیں۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ہماری ان لغزشوں اور کوتاہیوں کو جو ہم سے نادانی، جہالت اور بھول چوک کی وجہ سے سرزد ہو جائیں اور پھر ہم اپنی گذشتہ حرکتوں پر نادم ہو کر معافی مانگیں اور اللہ کی طرف رجوع ہو کر اپنی اصلاح کرلیں تو اللہ اپنی رحمت کی وسعت کے صدقے معاف فرما دیتا ہے۔

اب ہم توبہ کی حقیقت اور اس کے مدارج کے بارے میں کچھ بیان کریں گے۔

(جاری ہے)

تصوف ایک تعارفی جائزہ

(ڈاکٹر خواجہ محمد سعید) (انتخاب: عبدالحکیم توحیدی)

محققین نے تصوف کے بارے میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور ان کتب میں اپنی آرا کو اپنے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ صوفی کی تعریف میں ایک گروہ نے کہا کہ جو شخص صوف (اُون) کا لباس زیب تن کرتا ہے وہ صوفی کہلاتا ہے۔ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ صوفی وہ ہے جسے قربِ الٰہی حاصل ہو۔ تیسرے گروہ کا خیال ہے کہ جس شخص کو اصحابہ صفہؓ سے محبت و تعلق ہو وہ صوفی کہلاتا ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ صوفی صرف ایک اسم ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

اگر ہم مسلم فکر کا عمیق جائزہ لیں تو اِس فکر میں صوفیاء کے خیالات اور نظریات کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ تصوف کے آغاز اور اِس کے بارے میں بنیادی معلومات سے روشناس ہونا ایسا ہے جیسا کہ مسلمانوں کی تہذیب وتمدن کی روح سے آشنا ہونا۔

تصوف اپنے وسیع تر مفہوم میں سریت یعنی یہ ایک مخصوص رُجحان کا نام ہے جس کا تعلق کسی خاص علاقہ، قوم یا مذہب کے ماننے والوں سے نہیں ہے۔ فلسفے کی طرح اِس کی حیثیت بھی عالمگیر ہے۔ تمام بنی نوع انسان میں یہ رُجحان پایا جاتا ہے۔ فلسفے کی طرح تصوف بھی حقیقت مطلقہ کی تلاش میں ہے۔ البتہ اِن دونوں کا طریقہ کار مختلف ہے۔ فلسفہ حقیقت مطلقہ کو عقل کے ذریعے سے ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے جبکہ تصوف میں حقیقت مطلقہ کو جاننے کیلئے وجدان، عشق اور جذبے کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اِس کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ ایک دفعہ ابن سینا جو بنیادی طور پر عقلیت پسند تھے، اسرار کائنات کے بارے میں منطقی استدلال کے ساتھ بات کر رہے تھے، ابوالسعید ابن ابوالخیر خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ جب ابن سینا نے اپنی بات مکمل کی تو ابوالسعید نے فقط اتنا کہا کہ آپ جو کچھ جانتے ہیں میں اِسے اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں۔ علامہ اقبال نے بڑی خوبصورت بات کہی کہ "معرفت" عقل وخرد سے نہیں بلکہ عشق و وجدان سے حاصل ہوتی ہے۔ صوفیا اِسی طریقہ کو اختیار کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں ان میں مجاہدہ وریاضت کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے قبل کہ تصوف پر سیر حاصل بحث کی جائے، یہ جاننا ضروری ہے کہ خود اہل تصوف نے اِس کی کیا تعریف کی ہے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کے نزدیک "صوفی جب بولتا ہے تو اِس کی گفتگو کا بیان اس کی

حقیقت حال کے مطابق ہوتا ہے اور جب خاموش رہتا ہے تو اس کا معاملہ اس کی حالت سے ظاہر ہو جاتا ہے''۔ حضرت جنیدؒ کے نزدیک ''تصوف ایک ایسی صفت ہے جس میں بندہ قائم ہے''۔ حضرت ابوالحسن نوریؒ کے خیال میں ''نفس کی تمام لذتوں کو چھوڑ دینا تصوف ہے''۔ حضرت محمد بن علی بن حسین بن علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ ''تصوف خوش خلقی کا نام ہے''۔

صوفیا کی قلبی واردات کی دو اقسام ہیں ایک کو احوال کہتے ہیں اور دوسری کو مقامات۔ احوال میں محبوب حقیقی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے اور مقامات میں عاشق الٰہی اپنے معشوق حقیقی سے خلوت میں ہم کنار ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک تصوف پر مستند شخصیت مولانا روم ہیں۔ اُنہوں نے تصوف کو بڑی خوبصورت تشبیہ میں بیان کرتے ہوئے دُلہن کی مثال دی ہے۔ فرماتے ہیں کہ عروس کا جلوہ تو نوشہ کے علاوہ دوسروں کیلئے بھی جنت نگاہ بن سکتا ہے لیکن خلوت صرف نوشہ کو نصیب ہوتی ہے۔

حال چوں جلوہ است زاں زیا عروس
دیں مقام آں خلوت آمد با عروس

مولانا روم فرماتے ہیں کہ عشق الٰہی جس سے محبت مخلوق وابستہ ہے، دراصل دین کا جوہر ہے اور یہی اصل تصوف ہے۔

جدید فلاسفہ میں کانٹ وہ پہلا شخص ہے جس نے یہ کہا کہ مابعد الطبعیاتی مسائل کا حل عقل سے نہیں بلکہ سریت کے خالصتاً شعوری پہلو سے ممکن ہے۔

قرآن پاک نے اِس کے متبادل کے طور پر ایمان بالغیب کی اصطلاح اِستعمال کی ہے۔ ایمان بالغیب دراصل اللہ تعالیٰ سے وہ لطیف تعلق ہے جو قرآن پاک کے بیان کردہ تمام ذرائع علم میں مرکزی کردار ادا کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی میسر نہ ہو تو مشاہدہ و تجربہ یا عقل و استدلال منزل تک نہیں لے جاسکتے۔ بلکہ ایسی صورت حال میں قرآنی آیات تک سے گمراہی کا خدشہ ہوسکتا ہے۔ چنانچہ سریت نے بالعموم اور تصوف نے بالخصوص روحانی اور اخلاقی زندگی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ بلکہ ان میں مابعد الطبیعاتی مسائل کے حل کی صلاحیت بھی موجود ہے۔

مسلمانوں میں صوفیانہ رُجحانات کا آغاز اصحاب صفہ کی طرز زندگی سے ہوا۔ اُنہوں نے روحانی زندگی کی بلندی کیلئے ذکر الٰہی اور عبادت پر زور دیا اور اِس کی تلقین کی۔ اگر چہ یہ مثبت لائحہ عمل تھا لیکن آگے چل کر اِس کے خلاف منفی رُجحانات نے جنم لیا اور بنو اُمیہ کے عہد میں ان منفی

رُجحانات کو خاصی تقویت ملی۔ یہ دور سیاسی کشمکش کا تھا۔ اِس میں اقتدار کی حرص میں اضافہ ہوا جس کے نتیجہ میں اسلامی تعلیمات کے جذبہ میں کمی واقع ہوئی۔ چنانچہ عام لوگوں کی توجہ روحانی ترقی سے ہٹ کر کاروبار حیات کی طرف مبذول ہوگئی۔ خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی تھی اِس صورت حال کے باعث بھی نیکوکار لوگوں نے خاموشی اور گوشہ نشینی اختیار کی۔ حسن بصریؒ، حبیب عجمیؒ، جنید بغدادیؒ اور بایزید بسطامیؒ وغیرہ مسلمان صوفیاء اسی عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔

بعض روایات کے مطابق یہ تصور غیر اسلامی اثرات کا مرہون منت ہے۔ تاہم یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ قرآن پاک میں خود نبی پاک ﷺ کی طرزِ زندگی میں تصوف کے بارے میں واضح اشارات ملتے ہیں۔ اسلام میں تقویٰ، توکل، توبہ وغیرہ پر اِس قدر زور دیا گیا ہے گویا یہی وہ بنیادی عناصر ہیں جن سے تعمیر سیرت ہوتی ہے۔

قران پاک میں ایسی حکمتوں کا ذکر بھی ملتا ہے جن سے باطنیت کا جواز ملتا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے۔

ھو الذی بعث فی الامین رسولا منھم یتلوا علیھم ایتہ و یزکھم یعلمھم الکتب و الحکمۃ o

''وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں خود انہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیا جو اِن کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے''۔

اہل تصوف کے نزدیک اِس حکمت سے مراد الفاظ کے اندر چھپی ہوئی معنویت کا ادراک ہے اور اِس کی اہمیت اِس قدر ہے کہ قرآن پاک نے اِسے خیر کثیر قرار دیا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے۔

من یوتی الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً o

''جسے حکمت دی گئی اِسے بہت بڑی بھلائی عطا کی گئی''۔

مولانا روم کا خیال ہے کہ اِس حکمت سے مراد عقل استدلالی سے وجدان کی طرف ترقی ہے۔ قرآن حکیم نے حکمت کو خیر کثیر کہا ہے اور انسانوں کو تلقین کی ہے کہ وہ عقل کو اِستعمال کریں اور تدبر و تفکر سے کام لیں۔ کائنات اور اِس کے قوانین فطرت کا مطالعہ انسان کو بصیرت قدرت بخشتا اور اِس کے اندر خلیفۃ اللہ بننے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ اِن کے بقول عقل کا انسان کے

ساتھ ایک عجیب رشتہ ہے۔انسان پہلے حکمت کا طلبگار رہوتا ہے اور بعد میں خود منبع حکمت بن جاتا ہے۔اِس کے حافظے کی لوح، لوح محفوظ بن جاتی ہے اور اِسکی روح، روح القدس سے فیض یاب ہوتی ہے۔

اِن کا خیال ہے کہ انسان کے اِس کے ارتقا میں پہلے عقل اِس کی معلم ہوتی ہے لیکن آخر میں انسان معلم اور عقل شاگرد بن جاتی ہے۔ کیونکہ وجدان کی طرف سفر کرتے ہوئے ایک مقام ایسا بھی آتا ہے جہاں استدلالی عقل کام نہیں دیتی۔وہ کہتے ہیں کہ خشکی کی سواری پانی میں کام نہیں آتی۔بحر توحید میں وجدانی بصیرت عقل استدلالی سے آگے بڑھ جاتی ہے، جیسے کہ جبرائیل علیہ السلام نے ایک مقام پر پہنچ کر معراج میں رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اب میں آگے نہیں بڑھ سکتا، اگر میں آگے بڑھا تو میرے پر جل جائیں گے۔

اگر یک سرموئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوز و پرم

اہل تصوف نے اپنے عقائد کی تائید میں درج ذیل آیات کا حوالہ دیا ہے۔

هو الاول و الاخر و الظاهر و الباطن وهو بكل شى عليم۔

"وہی اول ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن اور وہ تمام چیزوں کو بخوبی جانتا ہے"

اللّٰه المشرق والمغرب فاينما تولو فثم وجه اللّٰهo

"اور مشرق ومغرب سب اللہ کا ہے تم جس طرف رُخ کرو ہر طرف اللہ کا چہرہ موجود ہے"۔

اللّٰه نور السموت والارض۔

"اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے"۔

وما رميت اذ رميت ولكن اللّٰه رمى۔

"اور جس وقت (اے محمد ﷺ) تم نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ تم نے نہیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں"۔

قرآن پاک کے علاوہ اہل تصوف نے احادیث کا بھی حوالہ دیا ہے جن میں تصوف کی جھلکیاں ملتی ہیں۔

حدیث قدسی ہے۔

"میرا بندہ مجھ سے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں ان کا کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے"۔

قرآن پاک اور احادیث نبویؐ میں خدا کو خوف اور محبت دونوں کا سرچشمہ بتایا گیا تھا۔ اہل تصوف نے زیادہ زور محبت کے پہلو پر دیا ہے۔ اس حوالے سے انہوں نے کئی آیات کو اپنے تائید میں پیش کیا۔ مثلاً

یحبهم و یحبونه o

"یعنی خدا ان کو محبوب رکھتا ہے اور وہ خدا کو محبوب رکھتے ہیں"۔

محبت کے پہلو پر زور دینے ہی کا نتیجہ تھا کہ صوفیا میں انسانوں سے محبت کا نظریہ ایک مطلق اصول کے طور پر پیدا ہوا چنانچہ وہ نفرت کے بجائے محبت، جنگ کے بجائے امن وغیرہ پر زور دینے لگے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جس معاشرہ میں صوفیاء کا زور رہا وہاں انسانی لڑائیاں ختم ہو گئیں۔

بابا فرید گنج شکر ایک ممتاز صوفی گزرے ہیں۔ ان کی حکایات میں آتا ہے کہ ایک دفعہ مرید ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے شہر کا تحفہ قینچی لایا کیونکہ اس کے شہر میں قینچی بنتی تھی۔ بابا فرید گنج نے مرید سے کہا یہ کیسا تحفہ لائے ہو۔ قینچی کاٹتی ہے، اگر تحفہ ہی لانا تھا تو سوئی دھاگا لاتے کیونکہ سوئی کاٹے ہوئے کو جوڑنے کے کام آتی ہے۔

علامہ اقبال نے بھی اپنی نظم ونثر میں تصوف کے بارے میں بہت سی باتیں کہی ہیں۔

ہو چکا گو قوم کی شان جلالی کا ظہور
ہے مگر باقی ابھی شان جمالی کا ظہور

صوفیا کے کردار کو ایک تمثیلی قصہ سے زیادہ بہتر طریقے سے سمجھا جاسکتا ہے۔ ایک دفعہ ایک صوفی کا قافلہ چل رہا تھا جس نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ وہاں درخت تھے۔ فاختہ کا ایک غول آیا اور درختوں پر منڈلانے لگا گویا وہ کسی بات پر احتجاج کر رہا تھا۔ صوفی نے فاختہ کے سربراہ سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے جواب دیا کہ آپ کے ایک بندے نے ہماری فاختہ کا شکار کیا ہے۔ صوفی نے اپنے مرید کو بلا کر پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے کیا غلط کیا ہے؟ جانور ہماری خوراک ہیں، ان کو مارنا ہمارے لئے حلال ہے۔ بزرگ نے مرید کا جواب فاختہ کے لیڈر

تک پہنچا دیا۔ اِس نے کہا ہماری یہ شکایت نہیں، ہماری شکایت یہ ہے کہ آپ لوگ صوفی بن کر یہاں آئے مگر آپ نے شکاریوں والا کام کیا۔ آپ کا صوفیوں کا روپ دیکھ کر ہم مطمئن ہو گئے۔ اگر آپ شکاری بن کر آتے تو ہم اپنے بچاؤ کا بندوبست کر لیتے۔

صوفیا کی یہی خصوصیت دورِ قدیم میں اسلام کی اشاعت کا باعث بنی۔ ان کی نسبت بادشاہ شکاری کے روپ میں آئے چنانچہ لوگوں نے اپنی عافیت اِسی میں جانی کہ اِن شکاریوں سے دور ہی رہا جائے۔ اِس طرح وہ اسلام سے بھی دور ہو گئے۔ اِس کے برعکس صوفیا نے اپنے آپ کو بے ضرر پیش کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر مسلم بھی حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب حجتہ البالغہ میں لکھا ہے کہ ان کے والد صوفی تھے اور ان کے سامنے یہ شعر پڑھتے تھے۔

آسائش دوگیتی تفسیر ایں حرف است

بادوستاں تلطف بادشمناں مدارا

یعنی دونوں عالم کی راحت صرف دو الفاظ میں چھپی ہوئی ہے، دوستوں کے ساتھ نرمی اور دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک۔

مشہور صوفی شاعر حافظ شیرازی نے اہل تصوف کے نقطہ نظر کو بڑے خوبصورت انداز میں اِس شعر میں بیان کیا ہے۔

قصہ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم

از مابجز حکایت مہر و وفا مپرس

یعنی ہم نے سکندر اور دارا جیسے بادشاہوں کے قصے نہیں پڑھے، تمہیں پوچھنا ہے تو ہم سے صرف محبت اور وفا کی باتیں پوچھو۔

صوفیا کے حسن اخلاق سے معاشرہ میں امن و محبت کی اقدار کو فروغ ملا، لوگ مل جل کر رہنے لگے اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان رقابت مٹنے لگی۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی خوبیاں اِن پر واضح ہوئیں اور وہ اسلام داخل ہونے لگے۔

اگر ہم حضور ﷺ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں تو اِس میں سادگی، عبادت، غار حرا کی خلوتوں میں فکر و مراقبہ، روزمرہ زندگی میں امانت، دیانت جیسے شاہکار گوشے دیکھنے کو ملتے ہیں جن سے صوفیاء کو بہت کچھ میسر آیا۔ تاریخ اسلام میں ہمیں اِس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کے

Scanned with CamScanner

زیر اثر اسلام قبول کرنے والے اولین گروہ یعنی صحابہ کرامؓ کی سوچ مکمل طور پر بدل گئی تھی اور وہ زندگی کو اعلیٰ مقاصد کے حصول کیلئے بسر کرتے تھے۔ صحابہؓ کے بعد تابعین کے ہاں بھی ان صفات کے حامل افراد کے تذکرے ملتے ہیں۔ اِس سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ تصوف اپنے ابتدائی دور میں خالصتاً اسلامی تعلیمات پر مبنی تھا۔

جس طرح اسلام کے دوسرے تصورات کو خارجی اثرات نے متاثر کیا اِسی طرح تصوف میں بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نئے تصورات نے جنم لیا۔ غیر مسلم معاشرہ میں اسلام قبول کرنے والوں کی سابقہ سوچ اور فکر سے مسلم معاشرہ کا متاثر ہونا ایک فطری امر تھا۔ اس طرح جدید خیالات ونظریات نے جنم لیا۔ اسلام ایک عالمگیر دین ہے جو زندگی کے اجتماعی معاملات کے ساتھ ساتھ انفرادی معاملات کی بھی مکمل نگہداشت کرتا ہے۔ تصوف کی اِس بدلی ہوئی شکل پر علماء نے اعتراضات کیے حتیٰ کہ اُنہوں نے بعض اہل تصوف پر کفر کے فتوے بھی لگائے۔ تصوف میں غیر اسلامی تصوف کی روح پر زور دیا۔ جن بیرونی عوامل نے اسلامی تصوف پر اثرات مرتب کیے ان میں نوفلاطونیت، بدھ مت اور مسیحیت کا نمایاں مقام ہے۔

فلسفہ یونان پر جب دورِ انحطاط شروع ہوا تو عقلیت کی جگہ روحانیت نے لے لی۔ فلاطینوس نے ظاہر سے زیادہ باطن اور عقل سے زیادہ وجدان پر زور دیا۔ اِس کا خیال تھا کہ منطقی فکر حقیقت مطلقہ تک رسائی حاصل نہیں کرسکتی اِس کیلئے روحانیت کی جانب سفر کرنا پڑتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ طبعی علوم سے زیادہ کشف و وجدان کی اہمیت ہے۔ فلاطینوس کا خیال تھا کہ حقیقت مطلقہ سے لے کر مادی کائنات تک ایک تسلسل موجود ہے۔ خدا اپنی صفت ماورائیت کے باوجود ہر جگہ موجود ہے۔ وہ ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی، وہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ وہ نظریہ صدور کا حامی تھا۔ یعنی یہ کائنات خدا سے اسی طرح جاری وساری ہے جس طرح سورج سے شعاعیں نکلتی ہیں۔ کوئی شے سورج سے جتنی دور ہوگی اِسی قدر وہ کم روشن ہوگی۔ اِسی طرح کوئی شے جتنی خدا سے دور ہوگی اتنی ہی اِس میں کثافت زیادہ ہوگی۔ اِس کا خیال تھا کہ اگر ہم خدا تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اِس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم نیک کام ہی کریں بلکہ اِس کیلئے ضروری ہے کہ روح ہر طرح سے پاک ہو۔ اِس مقصد کیلئے اِس نے ریاضت اور مجاہدہ پر زور دیا۔ صوفیا نے فلاطینوس کے نظریات کو قبول کیا۔ چنانچہ اُنہوں نے ایسے نظریات پر عمل کرنا شروع کیا جن کا اسلامی عقائد سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہ تھا۔ فلسفہ یونان کو اِسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کرنے کی خاطر انہوں نے اسلامی

عقائد کی ایسی تاویلیں کیں جو اسلام کے مزاج کے خلاف تھیں۔ اِس پر ردعمل لازمی تھا۔ چنانچہ بعض صوفیا نے اِس کے خلاف جہاد کیا۔

بدھ مت کے بانی مہاتما بدھ نے ترک دنیا اختیار کر کے ایک اچھوتی مثالی قائم کی تھی۔ اِس نے اپنے اردگرد برپا ظلم وستم اور تکلیف ومصائب سے راہِ فرار اختیار کیا اور سخت ریاضت، چلہ کشی، نفس کی نفی اور غور وفکر سے نروان حاصل کیا۔ یوں ایک نئی روشنی سے فیضیاب ہونے کے بعد اپنے معاشرے میں واپس لوٹ آیا۔ اِس نے لوگوں کو نیکی کی ترغیب دی۔ اسکی تعلیم میں جاذبیت تھی چنانچہ اِسکے ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ بدھ مت کی نمایاں تعلیمات میں یہ بات شامل ہے کہ یہ دنیا دکھوں کا گہوارہ ہے، انسان کو اپنی نفسانی خواہشات کو قابو میں رکھنا چاہیے، وہ اپنے عقیدے کو درست کرے، اچھی گفتگو کرے، دیانتداری کا مظاہرہ کرے۔ بدھ مت کی تعلیمات میں نفس پرستی، لذت پرستی اور حب دنیا، برائی کے سرچشمے ہیں۔

مسلمان صوفیاء بھی اِن تعلیمات سے متاثر ہوئے کیونکہ اِن باتوں کا ذکر ہمیں کسی نہ کسی حوالے سے اسلام میں بھی ملتا ہے۔ بعض صوفیاء نے ترک دنیا اور نفس کشی پر اِس قدر زور دیا کہ وہ ہدف تنقید کا نشانہ بنے کیونکہ اِسلام نے اعتدال پر زور دیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی سادگی کی ایک عمدہ مثال ہے اُنہوں نے لوگوں کو لذات دنیوی سے کنارہ کش ہو کر نیکی کی راہ اختیار کرنے کی تلقین کی۔ اِن کی شخصیت سے متاثر ہو کر اِن کے ماننے والوں نے رہبانیت کی راہ اختیار کی اور رہبانیت کو روحانی ترقی کا ذریعہ سمجھا۔ انجیل میں بھی خواہشات سے لاتعلقی کی تعلیم موجود ہے۔ چنانچہ عیسائیوں میں راہبوں کا ایک مستقل ادارہ معرض وجود میں آ گیا۔ یہ لوگ ادنیٰ لباس پہنتے اور الٰہیات کی باتیں کرتے تھے۔ عام لوگ بھی اِس میں جاذبیت محسوس کرنے لگے۔ چنانچہ مسلم صوفیاء بھی اِن سے متاثر ہوئے اور وہ بھی اِن بحثوں میں دلچسپی لینے لگے۔

تصوف کے تعارفی جائزہ کے بعد ہم اِس کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں۔ اسلام کا اصل مقصد بندے کے اندر قرب الٰہی کے حصول کی کوشش کو اُجاگر کرنا ہے۔ اِس حصول کا ۵۰ فیصد تعلق خارجی شریعت سے اور ۵۰ فیصد انسان کے اندر باطنی طلب سے ہے۔ شریعت بنیادی ڈھانچہ فراہم کرتی ہے۔ مگر قرب الٰہی کا تمام تر انحصار انسان کی اپنی روحانی طلب پر ہے۔ مثلاً قرآن پاک خدا کی کتاب ہے، اِس کا ابتدائی علم ہمیں نبی پاک ﷺ کی تعلیمات سے ملتا ہے لیکن

جب ہم خود قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں تو ہمارے اندر ایسی بصیرت پیدا ہو جاتی ہے جس سے دل گواہی دیتا ہے کہ واقعی یہ خدا کی کتاب ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ ہمیں عبادت کی تعلیم دینے اور طریقہ بتاتے ہیں۔ لیکن جب ہم صدق دل سے نماز میں اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں تو ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہماری روح، روح الٰہی سے متصل ہو گئی ہے۔ اس وقت نماز ہمارے لئے ذاتی دریافت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

تصوف اپنی اصل صورت میں دین کا نصف ثانی نمائندہ ہے اور فقہ دین کے نصف اول کا نمائندہ۔ جب دونوں مل کر عمل کرتے ہیں تو اسی کا نام اسلام ہے۔

تاریخ کا یہ المیہ ہے کہ ہر چیز ابتدا میں فطرت کی سطح پر شروع ہوتی ہے مگر بعد میں حد سے گزر جاتی ہے۔ تصوف کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ اولین دور میں تصوف فطرت کے دائرے میں تھا۔ مگر بعد میں صوفیاء حد سے آگے بڑھ گئے اور انہوں نے اسلام کا رنگ تصوف پر غالب کرنے کے بجائے تصوف کو اسلام پر غالب کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح تصوف کی اصل روح ناپید ہو گئی۔

قرآن پاک میں عالم فطرت پر غور کرنے کیلئے ۷۵۶ آیات آئی ہیں۔ اس کے برعکس صوفیا کا نظریہ ہے کہ شیخ ہی تمام کمالات کا خزانہ ہے۔ دور اول کے صوفیا قرآن پاک کی فکر سے متاثر تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے تصوف کے ساتھ علمی میدان میں بھی بڑے کارنامے سرانجام دیے۔ اُنہوں نے فطری علوم کی طرف بھی بھرپور توجہ دی اور جدید علمی انقلاب کا آغاز کیا لیکن بعد کے صوفیا نے انسانی ذہن پر جمود طاری کر دیا۔ دور حاضر میں اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے میں اسلام کو مقبول بنانے کیلئے جدید اعلیٰ معیار کی ضرورت ہے جو کہ صوفیا مہیا نہ کر سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذہین طبقہ حلقہ اسلام سے باہر رہ گیا۔ اگرچہ مسلمانوں کی کمیت میں اضافہ ہوا مگر کیفیت کے اعتبار سے مسلمان وہ مقام حاصل نہ کر سکے جو انہیں حاصل کرنا چاہیے تھا۔

موجودہ زمانہ سائنسی انقلاب کا زمانہ ہے۔ انسانی فکر میں زبردست تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ میڈیا نے پوری دنیا کو ایک کمرے میں لا کھڑا کیا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے۔ اسلام کو وقت کے تقاضوں کے مطابق علمی معیار اور دور حاضر کے دلائل کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ تاکہ جدید طبقہ اس کی طرف راغب ہو۔

احادیث پر اعتراضات اور اُن کے جوابات

(پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ)

اِس سے پہلے چند احادیث کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایسی تھیں جن کا احکام شرعی سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اب اِن اعتراضات کی طرف توجہ کرنا ہے جن کا تعلق اِن احادیث سے ہے جن پر شریعت اسلامی کے نہایت اہم مسائل کا دارومدار ہے۔ منکرین سنت کی اصلی غرض بھی اِن احادیث کورد کرنا ہے کیونکہ وہ اِن کو (غلطی سے یا دانستہ) کبھی قرآن کے خلاف بتاتے ہیں اور کبھی ان پر مصلحت وقت کے خلاف ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ اِس لئے اِن حادیث پر اعتراض کرتے وقت وہ اپنی ساری قوت صرف کر دیتے ہیں۔ آیئے دیکھیں کہ ان کے یہ اعتراضات کہاں تک حقیقت پر مبنی ہیں؟

شادہ شدہ زانی کے رجم کا مسئلہ

اعتراض: حضرت معترض فرماتے ہیں کہ کتب احادیث میں شادی شدہ زانی اور زانیہ کیلئے رجم یعنی سنگسار کرنے کی سزا ہے اور یہ قرآن کریم کے حکم کے بالکل خلاف ہے۔ اِس لئے یہ مجموعہ ہائے حدیث جن میں مخالف قرآن احکام درج ہیں ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ اور چونکہ رجم کی سزا قرآن کے خلاف ہے۔ اِس لئے ہم اِس کو ماننے اور اِس پر عمل کرنے کیلئے تیار نہیں۔

جواب: اِس سے پیشتر کہ اِس اعتراض کا جواب شافی بعونہ تعالیٰ عرض کروں تمہیداً ایک چیز گوش گزار کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ امت اسلامیہ میں جس نے سب سے پہلے رجم کا انکار کیا، وہ خارجی فرقہ ہے۔ تاریخ اسلام کے ایک ابتدائی طالب علم سے بھی یہ امر مخفی نہیں کہ وحدتِ ملی میں سب سے پہلے انشقاق اور اختلاف پیدا کرنے کا سہرا انہیں خوارج کے سر ہے۔ زہد وتقشف اور ورع وتقویٰ کے غرور نے اِن کی عقلوں پر ایسے پردے ڈال دیئے کہ منہاج نبوت سے روگردانی کر کے اپنی آراء وافکار کی دہلیزوں پر سجدہ ریز ہو گئے۔ کچھ مدت امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ رہے۔ پھر جب آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے

صلح کرنے کیلئے دو حکم مقرر کئے تو ان عقل کے اندھوں کو پندارِ علم لے ڈوبا۔ اور اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ سے استدلال کرتے ہوئے شیرِ خدا کی تکفیر کا فتوٰی جڑ دیا اور بار ہا حضرت امیر المومنین سے برسرِ پیکار ہوئے۔ اور یہ شقاوت بھی اِن بدنصیبوں کے حصہ میں لکھی تھی کہ ان کی تلوار حضرت کے خون سے رنگین ہوئی۔

ہمیشہ اِن کی فتنہ زائیوں سے چمنستان اسلام کے گلہائے شگفتہ کے دامن تار تار ہوتے رہے۔ قصرِ شریعت میں ان کی شکست و ریخت کو دیکھ کر تو اہل دل کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کی ہمہ دانی نے جو نئے نئے گل کھلائے ہیں ان میں سے چند ایک ملاحظہ فرمایئے۔

ابطلوا رجم المحصن وقطعوا يدا لسارق من الابط و اوجبوا الصلاة على الحائض فى حال حيضها و كفروا من ترك الامر بالمعروف و النهى عن المنكر ان كان قادرا و ان لم يكن قادرا فقد ارتكب الكبيرة و حكم مرتكب الكبيرة عندهم حكم الكافر و كفوا عن اموال الذمة و عن التعرض لهم مطلقا و فتكوا فيمن نسب الى الاسلام بالقتل والسبى والنهب۔

اجتمعوا على ان من لا يعتقد معتقدهم يكفرو يباع دمه و مالكه و عرضه (فتح الملہم شرح صحیح مسلم)

ترجمہ "خوارج نے شادی شدہ زانی کے رجم کو باطل کر دیا اور چور کا ہاتھ بغل سے کاٹتے۔ حائضہ عورت پر حالتِ حیض میں نماز فرض کی، جو نیکی کا حکم نہ کرے اور برائی سے نہ روکے اور اِس کی طاقت رکھتا ہو، اِس کی تکفیر کا حکم کرتے۔ اور جو طاقت نہ رکھنے کے باعث خاموش رہے اِسے گناہ کبیرہ کا مرتکب قرار دیا۔ اور اُن کے نزدیک گناہ کبیرہ کے مرتکب اور کافر میں کوئی فرق نہیں۔ ذمیوں کی مال سے انہوں نے اپنے ہاتھ روک لئے اور مسلمانوں کو علی الاعلان قتل کرنا اور قید کرنا اور لوٹنا شروع کر دیا۔ اور جو اُن کا ہم عقیدہ نہ ہو اُسے متفقہ طور پر کافر قرار دیتے اور اِس کا خون، مال، اور اہل اپنے لئے مباح سمجھتے۔

ایسے باغی گروہ کا تمام اُمت کے خلاف کوئی قول کرنا ہی اِس قول کے بطلان کیلئے کافی ہے لیکن میں صرف اِسی پر اکتفانہیں کروں گا بلکہ اِن کے تمام دلائل اِن کے سامنے پیش کر کے پھر اِن شاءاللہ اِن کا رد کروں گا۔تا کہ آپ کو یقین ہو جائے کہ حق وہی ہے جو ساری اُمت اسلامیہ کا مسلک ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ زانی خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، اِس کی سزا صرف سو ۱۰۰ درے ہیں۔شادی شدہ کو رجم کی سزا دینا درست نہیں اور اپنے خیال کو ثابت کرنے کیلئے انہوں نے کئی ایک دلائل پیش کئے ہیں۔

خوارج کی پہلی دلیل: سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ نے لونڈیوں کی زنا کی سزا بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

وعلیھن نصف ما علی المحصنات٥

یعنی لونڈیوں کی سزا محصنات کی سزا کا نصف ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ محصنات کا مطلب شادی شدہ عورتیں ہیں ۔اور اگر ان کی سزا رجم ہوئی، تو لونڈی کی سزا نصف رجم ہونا چاہئے، حالانکہ رجم کی تنصیف ناممکن ہے اِس لئے ثابت ہوا کہ محصنات (شادی شدہ) کی سزا سو درے ہیں اور انہیں سو دروں کا نصف یعنی پچاس دُرے لونڈیوں کی حدِ زنا ہے،تو اِس آیت سے صراحتہً معلوم ہو گیا کہ محصنات (شادی شدہ) اگر زنا کی مرتکب ہوں تو انہیں رجم نہیں بلکہ دُرے لگائے جائیں گے۔

ردِ دلیل خوارج: اِن کی اس مایہ ناز دلیل کا دارومدار اِس پر ہے کہ محصنات کا معنی صرف شادی شدہ ہے۔آیئے ذرا اِس لفظ کی تحقیق کریں تا کہ حقیقت واشگاف ہو جائے۔

محصنات کا مفرد محصِنة اور اس کا ماخذ اشتقاق احصان ہے اور اہل لغت نے اِس کا لغوی معنی یوں بیان کیا ہے۔

الاحصان فی اللغة المنع و کذلک الحصانة . یقال مدینة حصینة ودرع حصینة ای مانعة صاحبھا من الجراحة۔ (مفردات راغب)

یعنی احصان کا لغوی معنی منع کرنا یعنی روکنا ہے اور حصانۃ کا بھی یہی معنی ہے۔ اِس لئے اِس شہر کو جو اپنے باشندوں کو دشمن کے حملہ سے محفوظ رکھے مدینۃ حصینۃ کہتے ہیں اور وہ زرہ جو حملہ آور کو روک لے اور اپنے پہننے والے کو زخم سے بچائے اِسے درع حصینۃ کہا جاتا ہے۔

یہ لفظ اکثر ایسے مرد اور عورت کی صفت واقع ہوتا ہے جو اپنے آپ کو زنا اور بدکاری سے روکے رکھے۔ اور اِس کے قریب تک نہ پھٹکے۔ وہ مرد یا عورت جو زنا سے رُکی رہتی ہے اِس کے رُکنے کے کئی ایک اسباب ہیں۔ اِس لئے جس شخص میں اِن اسباب میں سے کوئی سبب پایا جائے اِسے محصن کہتے ہیں۔ چنانچہ صاحب تاج العروس لکھتے ہیں۔

واصل الاحصان المنع والمرأة تکون محصنة بالاسلام والعصاف والحرية والتزويج ٥ (تاج العروس: فصل الحاء من باب النون)

یعنی احصان کا اصلی معنی تو منع کرنا اور روکنا ہے۔ اور جو عورت جب مسلمہ ہو تو اِسے محصنۃ کہا جاتا ہے۔ (کیونکہ اسلام اِسے بدکاری سے روکتا ہے) اگر پاکباز ہو، تب بھی اِسے محصنۃ کہا جاتا ہے (کیونکہ اِس کی عفت اور پاکبازی اِسے اِس فعل سے روکتی ہے) اگر آزاد ہو تب بھی اِسے محصنۃ کہا جاتا ہے۔ (کیونکہ آزاد عورت زنا کے قریب نہیں جاتی) اور اگر شادی شدہ ہو تب بھی اِسے محصنۃ کہا جاتا ہے (کیونکہ زواج بھی عورت کو اِس سے باز رکھتا ہے)

اِس لغوی تحقیق سے یہ واضح ہو گیا کہ لفظ محصنۃ کا اِستعمال شادی شدہ عورت کیلئے نہیں ہوتا بلکہ جو عورت اسلام، عفت اور حریت کی اوصاف سے متصف ہو اِسے بھی محصنۃ کہا جاتا ہے۔ خود قرآنِ کریم میں یہ لفظ اِن متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے۔

جس طرح امام ابن جریر طبری نے اِس کی تصریح کی ہے۔

الاحصان قد یکون بالحرية كما قال جل ثناؤه والمحصنت من الذين اوتو الكتب من قبلكم ويكون بالاسلام كما قال تعالىٰ ذكره فاذا أُحصن فان اتين بفاحشة فعليهن نصف ما على

المحصنت من العذاب۔ ویکون بالعفة کما قال جل ثناؤه والذین یرمون المحصنت۔ ویکون بالزوج۔

(جامع البیان لامام ابن جریر الطبری ج ۵، صفحہ ۶)

یعنی احصان کبھی حریت سے حاصل ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا والمحصنت من الذین الخ وہ آزاد عورتیں جو اِن میں سے ہیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور کبھی اسلام سے جیسے آیت فاذا اُحصن الخ میں ہے یعنی جب وہ اسلام لے آئیں اور کبھی عفت و پاکبازی سے جیسے اِس آیت میں والذین یرمون الخ یعنی جو پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور کبھی احصان شادی سے حاصل ہوتا ہے (جیسے والمحصنت من النساء) یعنی شادی شدہ عورتیں۔

ہم نے دیکھا کہ (احصان) کی صفت کا تحقق کئی اسباب سے ہوسکتا ہے اور اگر کسی مرد یا عورت میں اِن اسباب میں سے کوئی ایک سبب پایا جائے تو ہم اِسے محصن (مرد کو) اور محصنة (عورت کو) کہہ سکتے ہیں۔ اور احصان صرف شادی شدہ عورت سے مختص نہیں۔ اب آپ غور کیجئے کہ اِس آیت میں جس کو خارجیوں نے بطور استدلال پیش کیا ہے المحصنات کا کیا معنی ہے۔

اِس میں دو قول ہیں ایک اِس نبی اکرم کا جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن نازل فرمایا اور اِس کے مفہوم سے آگاہ کیا، اِس کے صحابہ، خلفاء، راشدین اور تمام اُمت کا اور دوسرا قول ہے۔ خوارج کا جن کی عاقبت نااندیش حرکتیں اور خطرناک لغزشیں محتاج بیان نہیں۔

حضرت معترض! خود ہی بتائیں صحیح قول کونسا ہوگا۔ اگر پہلا صحیح ہے تو پھر آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اِس آیت میں المحصنت کا معنی الابکار الحرائر ہے یعنی وہ عورتیں جو باکرہ اور آزاد ہیں اور ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ لونڈیوں کی زنا کی سزا باکرہ حرہ کی سزا کا نصف ہے۔ اور باکرہ (غیر شادی شدہ) کی سزا جب سو دُرے ہے تو لونڈی کی سزا پچاس درے ہوگی۔

اور اگر آپ حضور کریم علیہ وعلی الہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے ارشاد کی موجودگی میں خارجیوں کے متعین کردہ معنی کو ہی ترجیح دینے پر مصر ہوں تو پھر ہمیں آپ (حضرت معترض) سے کوئی

شکایت نہیں۔

ہمارے اِس دعویٰ کی کہ سنت نبوی کی اتباع کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں یہی سب سے بڑی دلیل ہے کہ قرآن کے الفاظ کے معانی کا تعین پیروی سنت کے بغیر ناممکن ہے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار۔**

خوارج کی دوسری دلیل: الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة۔ (النور)

ترجمہ: ''زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد کو سو ۱۰۰ سو ۱۰۰ دُرے لگاؤ''۔

خارجی کہتے ہیں کہ یہاں مطلق زانی اور زانیہ کی سزا سو دُرے مقرر کی گئی ہے، اِس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کا کوئی امتیاز نہیں۔ اور رجم والی حدیث خبر واحد ہے۔ اِس عام حکم کی تخصیص خبر واحد سے جائز نہیں۔ اِس لئے یہاں **الزانیة والزنی** سے غیر شادی شدہ مراد لینا قطعاً درست نہیں آیت اپنے اطلاق پر رہے گی۔ اور شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کا کوئی فرق روا نہیں رکھا جائے گا۔

ردِ دلیل دوم: گزشتہ باب میں مفصل عرض کیا جا چکا ہے، کہ حدیث آیت قرآنی کی مخصص ہو سکتی ہے یا نہیں۔ وہاں بتایا گیا کہ خبر متواتر چونکہ قطعی ہے اس لئے یہ مخصص ہو سکتی ہیں۔ اور خبر واحد چونکہ ظنی ہے اِس لئے وہ آیت کی جو قطعی ہوتی ہے مخصص نہیں ہو سکتی اور یہ ایک ایسا مسلمہ امر ہے جس سے خوارج کو بھی یارائے انکار نہیں اِس لئے انہوں نے یہی اعتراض کیا کہ حدیث رجم خبر واحد ہے اِس لئے مخصص نہیں۔ اگر حدیث رجم خبر متواتر یا مشہور ہو تو پھر اِن کے نزدیک بھی تخصیص آیت جائز ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ حدیث خبر واحد ہے یا مرتبہ تواتر و شہرت کو پہنچ چکی ہے۔

قال ابوبکر الرازی روی الرجم ابوبکر و عمر و علی و جابر بن عبداللّٰہ و ابوسعید الخدری و ابوهریرة و بریدة الاسلمی و زید بن خالد بن اخرین من الصحابة۔

ترجمہ! ''ابوبکر الرزی کہتے ہیں کہ مندرجہ ذیل صحابہ نے حدیث رجم کی روایت کی ہے۔
حضرت ابوبکر، عمر، علی، جابر بن عبیداللہ، ابوسعید خدری، ابوہریرہ، بریرۃ الاسلمی اور زید بن خالد رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

اِن جملہ صحابہ نے فقط اِس حدیث کی روایت ہی نہیں کی بلکہ خلفاءِ راشدین نے اپنے اپنے عہدِ خلافت میں اِس پر عمل فرما کر اِس کی قطعیت ثبوت پر مہر تصدیق ثبت فرما دی اور علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں تصریح فرمائی ہے۔

اجمع الصحابة وائمة الامصار علی ان المحصن اذا زنی عامد اعالما مختارا فعلیه الرجم۔

ترجمہ: ''تمام صحابہ اور بلادِ اسلامیہ کے تمام اماموں کا اِس پر اجماع ہے کہ اگر شادی شدہ مرد قصداً جان بوجھ کر بلا جبر و اکراہ زنا کا مرتکب ہو تو اِسے رجم کیا جائے گا۔

اِس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ خوارج کا حدیث رجم کو خبر واحد قرار دے کر اِس سے انکار سراسر فریب اور دھوکہ ہے۔

اِس کے باوجود اگر خوارج اِس بات پر مُصِر ہوں کہ کیونکہ آیت مطلق و عام ہے اِس لئے اگر چہ احادیثِ متواترہ و مشہورہ موجود ہیں لیکن ہم اِس کی عمومیت پر ہی عمل کریں گے، تو عرض ہے کہ کیا احادیث کو متروک قرار دینے کے بعد بھی وہ آیت کے عموم پر عامل رہ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، کیونکہ اگر مجنون یا جو کسی جابر ظالم کی تہدید سے مجبور ہو کر یا نادانستہ (یعنی اِسے اپنی بیوی خیال کر کے) اِس فعل شنیع کا مرتکب ہو تو اِسے سزا نہیں دی جائے گی حالانکہ آیت میں استثناء مذکور نہیں۔ تو یہ کس قدر اچنبھہ ہے کہ اپنی رائے سے تو آیت کی تخصیص کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی لیکن اگر وہ نبی صادق احکامِ الٰہیہ کی تبیین بقول **لتبین للناس ما نزل الیهم** فرماتا ہے۔ تو اِس پر ناک بھوئیں چڑھائے جاتے ہیں۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

خوارج کی تیسری دلیل: ہم جانتے ہیں کہ عہد رسالت میں رجم کیا گیا لیکن یہ اس

آیت کے نزول سے پیشتر ہوا۔ آیت تجلید نازل ہونے کے بعد وہ حکم منسوخ ہو گیا۔

ردِ دلیل سوم: خوارج کا یہ تسلیم کرنا کہ عہد رسالت میں بھی رجم ہوا یہ اس بات پر شاہد ہے کہ وہ احادیث خوارج کے نزدیک بھی پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہیں اور ان کے تواتر و شہرت کی وجہ سے ان کو بھی یارائے انکار نہیں۔ اتنا تسلیم کرنے کے بعد انہیں لازماً یہ بھی ماننا پڑے گا کہ رجم اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی ہوا۔ کیونکہ آیت تجلید (الزانیة والزانی الخ) غزوہ بنو مصطلق سے واپسی پر جب کہ واقعہ افک پیش آیا، نازل ہوئی اور غزوہ بنو مصطلق صحیح روایات کے مطابق ۵ھ میں ہوا۔ جس سے ثابت ہوا کہ یہ آیت ۵ ہجری میں نازل ہوئی۔ اور حضرت ماعز کے رجم کے راوی حضرت ابن عباس ہیں اور ابن عباس ۹ ہجری میں اپنی والدہ ماجدہ کے ہمراہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔

عن عکرمة عن ابن عباسؓ قال لما اتیٰ ماعز بن مالک النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه واله وسلم قال له لعلک قبلت او غمزت او نظرت؟ قال لا یارسول اللّٰہ قال انکتها لا یکنی قال نعم فعند ذٰلک امر برجمه٥ (بخاری)

ترجمہ: ”حضرت عکرمہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت ماعز بن مالک نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زنا کا اعتراف کیا تو حضورﷺ پرنور نے اِسے فرمایا کہ شاید تم نے صرف بوسہ لیا ہو یا کنکھیوں سے اشارہ کیا ہو یا دیکھا ہو (اور اِسی کو اپنے زہد و ورع کے باعث زنا سمجھ بیٹھے ہو) ماعز نے عرض کیا، نہیں یارسول اللہ ایسا نہیں ہوا۔ پھر حضورﷺ نے استفسار فرمایا کیا تو نے واقعی اِس فعل شنیع کا ارتکاب کیا ہے تو اُس نے پھر اعتراف کیا، اِس کے بعد حضورﷺ نے اِس کے رجم کرنے کا حکم دیا۔

دوسری حدیث رجم کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں جو ۷ ہجری میں شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔

قال اخبرنی عبیداللّٰہ انه سمع اباھریرة و زید بن خالد قالا کنا

عند النبی ﷺ فقال انشدک اللّٰہ الا قضیت بیننا بکتاب اللّٰہ فقام خصمہ و کان افقہ منہ فقال اقض بیننا بکتاب اللّٰہ و اذن لی. قال قل. قال ان ابنی کان عسیفا (اجیرا) علیٰ ھٰذا فزنی بامرأتہ فافتدیت منہ بمائة شاة و خادم ثم سألت رجالا من اھل العلم فاخبرونی ان علی ابنی جلد مائة و تغریب عام و علی امرأتہ الرجم فقال النبی علیہ الصلوٰة والسلام وتعزیب عام واغدیاانیس علی امراة ھذا فان اعترفت فارجمھا فغدا علیھا فاعترفت فرجمھاo (بخاری)

ترجمہ: ''مجھے عبیداللہ نے بتایا کہ میں نے ابوہریرہؓ اور زید بن خالد سے سنا کہ ہم بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے۔ایک آدمی کھڑا ہو کر کہنے لگا۔خدا کیلئے کتاب اللہ کے مطابق ہمارا فیصلہ فرمائیے!اِس کا مقابل (مدعٰی علیہ) اُٹھا اور وہ اِس سے زیادہ عقل مند تھا اِس نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمائیے۔اور مجھے عرض کرنے کی اجازت دیجئے۔حضور ﷺ نے اُسے عرض کرنے کی اجازت دی۔وہ کہنے لگا کہ میرا لڑکا اس شخص کے پاس اُجرت پر کام کیا کرتا تھا اور اس نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا۔میں نے اس کے فدیہ میں ایک سو بکری دی اور غلام آزاد کیا۔پھر میں نے اِس کے متعلق اہل علم سے دریافت کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے لڑکے کو سو دُرے لگیں گے اور ایک سال اِسے جلاوطن کیا جائے گا۔اور اِس کی بیوی کو سنگسار کیا جائے گا۔حضور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا مجھے اِس ذات کی قسم ہے جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق ہی فیصلہ کروں گا۔سو بکری اور وہ غلام تجھے واپس لوٹا دیا جائے گا اور تیرے لڑکے کو سو دُرہ لگایا جائے گا۔اور ایک سال کیلئے اسے جلاوطن کیا جائے گا۔اے اُنیس (ایک صحابی کی طرف روئے سخن فرما کر) تو اِس آدمی کی عورت کے پاس جا کر دریافت کر اگر وہ زنا کا اعتراف کرے تو اِسے رجم کر دو۔چنانچہ اُنیس اس کے پاس گئے،اُس نے اعتراض جُرم کیا اور اُسے رجم کیا گیا۔

اِس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ جس وقت حضورؐ نے اِس عورت کو رجم کرنے کا حکم صادر

فرمایا تو اِس وقت حضرت ابو ہریرہؓ موجود تھے تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ ۷ ہجری کے بعد کا ہے۔ اور وہ آیت (الزانية والزانی) ۵ ہجری میں نازل ہوئی تو خوارج کا یہ کہنا ہرگز قابل قبول نہیں، کہ اِس آیت کے نزول کے بعد رجم نہیں کیا گیا۔

نیز اِن خط کشیدہ الفاظ کو ذرا پھر غور سے ملاحظہ فرمائیے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی، کہ حضورﷺ کا فیصلہ کتاب اللہ کا فیصلہ ہے۔ خواہ وہ کتاب اللہ میں مذکور نہ بھی ہو، ورنہ حضورﷺ کا حلفیہ فرمانا کہ میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا اور پھر رجم کا حکم دینا جو قرآن میں مذکور نہیں بالکل بے جوڑ ہوگا۔ اہل بصیرت کیلئے اتباع سنت اور سنت کا بھی فرمانِ الٰہی ہونے کیلئے اِن الفاظ سے بڑھ کر اور کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

یہ ہیں وہ دلائل جن کے بل بوتے پر خارجیوں نے ایک متفقہ علیہ مسئلے کا انکار کر کی ملت پر تشتت وافتراق کی تخم ریزی کی۔ یہ دلائل بھی آپ نے دیکھ لئے اور اُن کا رد بھی ملاحظہ فرمالیا۔

شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی حدِ زنا میں یہ فرق جس طرح کتاب وسنت کے مطابق ہے اِسی طرح عقل سلیم بھی اِسی کے متقاضی ہے۔

سزا کی نوعیت جرم کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر جُرم سنگین ہے تو سزا بھی سخت اور اگر جرم خفیف قسم کا ہے تو سزا میں بھی ضرور نرمی ملحوظ رکھی جائے گی۔ غیر شادی شدہ زانی سے شادی شدہ زانی کا جُرم بلاشبہ سنگین تر ہے۔ اس کی بیوی ہے بچے ہیں۔ اِس کے باوجود جذبہ ہوس رانی کو ضبط نہیں کرتا بلکہ مست ہاتھی کی طرح دندناتا پھرتا ہے اور معصوم عصمتوں کی غارتگری میں مشغول ہے۔ نیز شادی کے بعد بھی اگر مرد یا عورت اِس فعل سے باز نہ آئے تو اِس کے اثرات بد صرف ان کی ذات تک محدود نہیں رہتے۔ کیا آپ نے آباد گھروں کو اُجڑتے نہیں دیکھا۔ قتل و غارت کی المناک داستانیں نہیں سنیں، بے بس اور بے کس بچوں کو نہیں دیکھا جو اپنے باپ یا ماں کی غلطی کی وجہ سے در بدر پھرتے ہیں۔ ان کی زندگی جہنم بنی ہوتی ہے اور مستقبل تاریک!

شادی شدہ شخص ایسی عبرتناک سزا کا مستحق ہے جس کی وجہ سے پھر کسی کو ایسا کرنے کی ہمت ہی نہ ہو۔ جس پر انعام زیادہ اِس پر گرفت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ آپ نے سنا نہیں!

يانساء النبى من يات منكن بفاحشة مبينة يضاعف لها العذاب ضعفين O

ترجمہ: ''اے نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی بیبیو! اگر تم میں سے کسی نے غلطی کی تو اُسے دُگنا عذاب دیا جائے۔

دیکھا آپ نے! ازواجِ مطہرات پر چونکہ انعام زیادہ تھا اِس لئے انہیں ان کی امکانی خطا پر دوگنے عذاب کا حکم سنایا گیا۔

عصمت وآبرو کی حفاظت کا یہ اصول اور غیرت وحمیت کا یہ سبق اسلام نے ہی سکھایا، اور اس جرم کو شرک اور گناہ کے برابر رکھا گیا۔ بلکہ تہمت زنا پر اسی ۸۰ دُررے کی سزا کا مقرر کرنا تو اِس بات کی شہادت دیتا ہے کہ یہ سب سے سنگین ترین جرم ہے اور اِس سے کسی کو بلاوجہ متہم کرنا ایسی سزا کا موجب ہے۔ جو تہمت شرک وقتل پر نہیں۔

اگر رجم پر ان کا اعتراض خوارج کے خیالات کی صدائے بازگشت ہے تو اِس کا جوابِ شافی بعونہ تعالیٰ ہو چکا۔ اگر اُن کو یہ گھبراہٹ ہے کہ یورپ کی انسانیت کُش تہذیب انہیں معرض طعن بنائے گی تو پھر ان کی پریشانی بے محل ہے۔ ان کے نزدیک متاعِ عصمت کوڑی سے بھی کم قیمت ہے اور ہمارے نزدیک اِس موتی کی پاکیزہ شعاعوں کے سامنے مہر و ماہ کی تابندگی بھی شرمندہ ہے، عقائد ونظریات کے اتنے بُعد کے باعث ہمارے اعمال وافکار کا یہ فرق بے محل نہیں۔

اِس فعل بد کے عام ارتکاب سے یورپ جن ہلاکتوں میں گرفتار ہے کیا وہ ہمارے لئے موجب عبرت نہیں۔ (جاری ہے)

ہماری دعوتی کمزوریاں اور ان کا حل

(خالد محمود توحیدی۔ملتان)

دراصل دعوت نام ہی اس چیز کا ہے کہ بندوں کو گمراہی سے نکال کر حق اور نور کی طرف راغب کیا جائے۔یہ دعوت بندوں کو مقام سعادت اور خداشناسی تک لے جاتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنی محبت سے ہدایت کا راستہ روشن کر دیتا ہے اور معرفت پیدا ہو جاتی ہے۔جو شخص کسی کو اللہ کی طرف بلائے یعنی دعوت الی الخیر کرے خواہ اعمال ظاہری کی طرف بلائے یا اعمال باطنی کی طرف۔تو یہ نیکی کی معراج ہے۔آج امت مسلمہ ان صوفیائے کرام کی احسان مند ہے جنہوں نے اصلاح و ترقی اور تبلیغ دین کیلئے بے سروسامانی کی حالت میں اپنے وطن کو چھوڑا اور ملکوں ملکوں پھیل گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے لاکھوں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے ان کے پاس ایک تو اخلاق تھا اور دوسری چیز اخلاق سے زیادہ موثر اور طاقتور تھی وہ روحانی طاقت تھی جن کی بدولت لوگ بے چون وچرا ان کی بات سنتے اور نیکیوں پر عمل پیرا ہو جاتے۔

انسان کی ذات خواہ کیسی حیثیت کی ہو محسوس یا غیر محسوس طور پر اس سے یا تو برائی پھیلتی ہے یا بھلائی۔اس کو دیکھ کر لوگوں میں نیکی اور بھلائی کے جذبات اُمڈتے ہیں یا برے کاموں کی رغبت ہوتی ہے انسان کی زندگی اثرات ضرور چھوڑتی ہے۔اگر کسی کو اپنی اصلاح کی فکر اور بے چینی لگ جائے اس کی روحانی منازل بڑی جلدی سے طے ہو جاتی ہیں جس کے اندر جتنی زیادہ اصلاح کی فکر،طلب اور تڑپ ہوگی اسکو اتنی ہی جلدی کامیابی نصیب ہوگی۔

ہمیں بجا طور پر فخر ہے کہ ہم ایک سچے توحیدی ہیں اللہ نے ہم کو اس نعمت سے نوازا ہے۔

کیا ہم نے سوچا ہے کہ جب ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ میں ایک توحیدی ہوں کیا میری زندگی میں سلسلہ توحیدیہ کی ترجمانی ہو رہی ہے؟ ہم اللہ کی راہ بیٹھ کر بندگان خدا کو اپنے اعلیٰ اخلاق وروحانی طاقت سے خدا کی طرف بلا رہے ہیں۔یا پست کردار اور بے عملی کی وجہ سے اللہ کی راہ سے روک رہے ہیں۔ہمارے حسن معاملہ سے لوگ صرف ہمارے بارے میں ہی رائے قائم نہیں کرتے بلکہ ہمارے سلسلہ کی طرف بھی متوجہ ہوتے ہیں۔اسلئے ہمیں چاہیے کہ ہماری گفتگو،طرزِ عمل اور لین دین غرض ہماری زندگی کا ہر گوشہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی ترجمانی اور نمائندگی کرے اور

ہماری کوئی بات اور کوئی عمل ایسا نہ ہو جو خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی تعلیمات کے منافی ہو۔ عمل کی خاموش زبان، دعوے کی ناطق زبان سے زیادہ موثر ہے۔

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے خون جگر سے ایک چھوٹا سا دیا جلایا یعنی سلسلہ توحیدیہ کی بنیاد ڈالی جس میں بڑی روحانی کشش ہے بے پناہ تاثیر ہے اور جذب کرنے کی غیر معمولی قوت ہے۔ انصاری صاحب کی زندگی کا دیرینہ مشن اولیاء اللہ کی جماعت بنانا تھا۔ آپکی تعلیم کی روح کو ذہنی، قلبی اور شعوری طور پر سمجھا جائے۔ ذہنی انقلاب کے ساتھ قلبی تبدیلی بھی ضروری ہے۔

قبلہ انصاریؒ نے فرمایا ہے کہ ہمارا مقصد دوہرا ہے ایک یہ کہ خود روحانی بزرگی اور اخلاقی بلندی حاصل کریں تاکہ دین و دنیا دونوں میں سرخروئی حاصل ہو دوسرا مقصد یہ کہ جب ہم کچھ بن جائیں تو دوسروں کو اپنے جیسا بنانے کی کوشش کریں۔ یعنی سلسلہ توحیدیہ میں داخل ہونے کے بعد ہم پر دو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ایک تو خود استقامت کے ساتھ تعلیمات پر کاربند رہیں۔

دوسرا اس کی ترویج کے لئے کوشاں رہیں اس لئے ہم پر ایک عظیم ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ ہم ایک سال میں اپنے مخلص دوستوں اور احباب میں کم از کم ایک فرد کو سلسلہ توحیدیہ کی طرف دل کی توجہ سے راغب کر کے تعلیمات اور عظیم نعمت سے روشناس کروائیں۔ جیسا کہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے فرمایا "کہ اب یہ آپ لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ "اس سلسلہ کی ترویج کریں"۔ آپ کے مشن تعمیر ملت کے لئے توحیدی تعلیمات کا فروغ ضروری ہے۔ انصاری صاحب نے اپنے خطبہ نمبر 9 میں فرمایا کہ پیارے برادران تم کو ہدایت کرتا ہوں کہ اپنے آستانہ سے محبت کرو اور اس کے استحکام و سربلندی کیلئے کوشاں رہو اگر تم ایسا کرو گے تو یاد رکھو انشاء اللہ اسی آستانہ سے توحید کے آفتاب عالمتاب کی روشنی پھوٹے گی جو پاکستان کے چپہ چپہ کو توحیدی یعنی مومن اور محسن بنا دے گی۔

"مقصود حیات" سے اقتباس پیش ہے کہ "آپ بانی سلسلہ کی تعلیمات کے قدر و قیمت جانیں ان کی اپیل کو سنجیدگی سے لیں صرف آپ **قم باذن اللہ** کا نعرہ لگا سکتے ہیں۔ آپ کے پاس وہی نسخہ کیمیا ہے جو قوم کی عروق مردہ میں زندگی کی لہر دوڑا سکتا ہے۔ ہم پہلے ہی دیر کر چکے ہیں اب مزید تاخیر کرنا خطا شمار ہوگی اسلئے اب ضروری ہوگیا ہے کہ سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم اور

اصلاح وخدمت کے مشن کو عام کرنے کیلئے ہر بھائی اپنے آپ کو سرگرم مبلغ جانتے ہوئے سراپا عمل بن جائے۔یہی سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم کا مقصد اور آپ سب کی بزرگی اور روحانی قوت کا حقیقی مصرف اور امتحان ہے۔

آپ کے دل ودماغ میں ہروقت یہ فکر سوار رہے کہ یہ کام ہروقت اور ہر قیمت پر کرنا ہے اور اسکے علاوہ دنیا کے سارے کام ہیچ نظر آئیں اور اللہ پر توکل کرتے ہوئے کام شروع کر دیا جائے تو پورے ذوق وشوق اور جوش وخروش سے لگاتار اور بغیر کسی وقفے کے جاری رکھا جائے۔آپ کے راستے میں کیسی ہی رکاوٹیں اور دشواریاں پیش آئیں آپ بے دل اور مایوس ہرگز نہ ہوں رفتارِ کار میں کسی قسم کا فرق نہیں آنا چاہیے۔اپنی تمام صلاحتیں صرف کر ڈالیں اور ہزار مخالفتوں کے باوجود حق کی آواز بلند کرتے رہیں۔

انداز ایسا دل نشین اور سادہ ہو کہ مخاطب شوق ورغبت کے جذبات سے سرشار ہو جائے اور سلسلہ توحیدیہ سے اس کا تعلق ذہنی اطمینان کی حد تک نہ رہے بلکہ اس کے دل کی آواز، روح کی غذا اور جذبات کی تسکین بن جائے۔سلسلہ کی تعلیم اس حکمت کے ساتھ فطری انداز میں پیش کیجئے کہ اس کو غیر فطری بوجھ محسوس نہ ہو اور لوگ متنفر ہونے کی بجائے اس کو قبول کرنے میں سکون اور راحت محسوس کریں۔اور آپ کی نرم شیریں زبان اور حکیمانہ طرز دعوت سے لوگوں میں غیر معمولی کشش پیدا ہو۔دعوتی کوششوں میں دوام اور تسلسل ہو تھوڑا کام کیجئے لیکن مسلسل کیجئے۔دعوت کے کام کی وہی حیثیت ہے جو انسانی جسم میں دل کی حیثیت ہے۔اللہ کے نزدیک اُمت کی تمام تر اہمیت اسی وقت ہے جب وہ اس منصب کے تقاضے پورے کرے جس پر اللہ نے اسے سرفراز فرمایا ہے''۔

آیئے آج سے ہم یہ عزم کریں کہ ہمارا اولین کام انصاری صاحب ؒ کی بتائی ہوئی جامع تعلیمات کا فروغ ہو اور اسکے فروغ کیلئے تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔ہمارا کام سعی اور مسلسل جدوجہد کرنا ہے اور نتائج اللہ پر چھوڑ دیں۔

تعلق باللہ، ذکر اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ

(عبدالقیوم ہاشمی)

انسان اُسی وقت راہ ہدایت پر گامزن ہوسکتا ہے جب وہ اپنے خالق کو پہچان کر اُسے اپنا رب اور پروردگار دل و جان سے تسلیم کر کے اُسی بزرگ و برتر ذات کی بندگی میں تمام عمر بسر کر دے۔ افسوس کہ انسان اپنے رب کریم سے محبت و بندگی کے تمام عہد و پیمان یکسر بھلا چکا ہے۔ جسکی وجہ سے انسانیت اپنے اندر خداشناسی کے حقیقی جوہر کو ہر لحظہ ضائع کیے چلی جارہی ہے۔

یایها الانسان ما غرك بربك الكريم ٥ الذی خلقك فسولك فعد لك٥ فی ای صورة ماشاء ربك٥

ترجمہ ”اے انسان کس چیز نے تجھے اپنے رب کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا حالانکہ اُس نے تمہیں پیدا کیا، نِک سُک سے درست کیا، متناسب بنایا اور جس صورت میں چاہا تمہیں جوڑ کر تیار کیا؟ (الانفطار 8-6)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو ایک عہد کی جانب متوجہ کیا ہے تا کہ انسان اپنے رب سے مضبوط تعلق استوار کر لے۔ اِس عہد کو عہد الست کہا جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّکَ مِن بَنِیٓ آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُواْ بَلَىٰ شَهِدْنَآ أَن تَقُولُواْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ٥ أَوْ تَقُولُوٓاْ إِنَّمَآ أَشْرَکَ آبَاؤُنَا مِن قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّن بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ٥ وَكَذَٰلِکَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ٥ (الاعراف)

ترجمہ ”(اور اے نبی ﷺ) لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جب تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے اُنکی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود اِنکے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا ”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟“۔ انہوں نے کہا ”یقیناً“ آپ ہی ہمارے رب ہیں، ہم اِسی پر گواہی دیتے

ہیں"۔ یہ ہم نے اس لئے کیا تا کہ تم قیامت کے دن کہیں یہ نہ کہو کہ "ہم تو اس بات سے بے خبر تھے"۔ یا یہ نہ کہنے لگو کہ "شرک کی ابتدا تو ہمارے آباؤ اجداد نے ہم سے پہلے کی اور ہم بعد میں انکی نسل سے پیدا ہوئے۔ پھر کیا آپ ہمیں اس قصور میں پکڑتے ہیں جو غلط کار لوگوں نے کیا تھا؟" دیکھو اس طرح ہم نشانیاں واضح طور پر پیش کرتے ہیں تا کہ یہ لوگ ہماری طرف لوٹ آئیں۔

اِن آیات مبارکہ سے ہم پہ تین حقائق واضح ہوتے ہیں۔

پہلے دو یہ کہ شرک اور لاعلمی روز قیامت ہمارے لئے بطور دلائل کام نہیں آئیں گے۔ عہد الست کا تیسرا مقصد یہ تھا کہ ہر شخص اللہ کی طرف رجوع کرلے۔ جب اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں اِنسانی روحوں سے پوچھا تھا تو اُنہوں نے جواباً بَلٰی یعنی "ہاں" کہا تھا۔ آج کے انسان حتیٰ کہ حامل قرآن بھی اِس وعدے کو بھول چکے ہیں۔ بقول علامہ اقبال!

در نگر آں حلقہ وحدت شکست

آل ابراہیمؑ بے ذوق الست

ترجمہ " دیکھو وہ اللہ سے مضبوط رشتہ ٹوٹ چکا ہے کیونکہ آج مسلمان بھی الست کے ذوق سے نا آشنا ہیں۔" مطلب یہ کہ مسلمان اپنے رب سے کیے ہوئے وعدے کی پاسداری نہیں کر رہے جو کہ تعلق باللہ کی بنیاد ہے۔ اب ہم قرآنِ کریم میں مذکور عہد الست کی وضاحت کریں گے تا کہ انسان کی رب تعالیٰ سے تعلق کی نوعیت اور حقیقت واضح ہو جائے جو کہ تعلق باللہ کی مضبوطی کا اصل محرک ہے۔ اِس کے بعد ہم یہ بھی بتائیں گے کہ تعلق باللہ کیسے پیدا ہوتا ہے اور اِسے بڑھانے کا کیا طریقہ ہے؟

عہد الست سے قبل تمام ارواحِ انسانی اپنے خالق اور رب کو دیکھنے سمجھنے سے قاصر تھیں۔ اُس وقت تمام ارواح ھیولا نما وجود تھے جو صرف اپنے ہونے کے احساس کے ساتھ موجود تھیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

هل اتى على الانسان حين من الدهر لم يكن شيامذكورا ٥

ترجمہ: "کیا انسان پر لامتناہی زمانے کا ایک وقت ایسا بھی نہیں گذرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا؟ (سورہ الدھر آیت۔ 1)

عالم ارواح عالم امر سے متعلق ہے اس لئے وہاں ہر کام آناً فاناً ہوتا ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اَلَسْتُ بِرَبِّکُم؟ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟

تو تمام ارواح میں سماعت کی قوت پیدا ہوئی اور انسان نے سب سے پہلے اپنے رب تعالیٰ کی آواز سنی۔ اسی طرح بصارت کی قوت عطا ہوئی اور ارواح نے اپنے رب کو دیکھا اور فہم و شعور کی قوت ملنے سے تمام ارواح نے بیک زبان بَلٰی کہہ دیا مطلب ''یقیناً آپ ہی ہمارے رب ہیں''۔ گویا ہر انسانی روح ازل سے سماعت، بصارت، عقل اور گویائی کی قوتیں لے کر اس دنیا میں آتی ہے۔ اپنے رب سے عہد الست کے موقع پر مکمل ملاقات کرتی ہے۔ اسی لئے ہر انسان اپنے اچھے برے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ترجمہ ''اِن سے کہو اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، تم کو سننے اور دیکھنے کی طاقتیں دیں اور سوچنے سمجھنے والے دل دیئے مگر تم کم ہی احسان مانتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ نے اِنسانی قالب کے اندر اپنی روح پھونک کر اسے اپنی صفات کے ہلکے سے پرتو سے فیض یاب فرما دیا جسکی وجہ سے اسے تمام مخلوقات پر ایک روحانی بلندی نصیب ہوگئی۔

عہد الست کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد اب ہم تعلق باللہ کے بارے میں کچھ وضاحت کریں گے۔ اگرچہ ہر مسلمان کا اللہ تعالیٰ سے ایمان کی حد تک تو ایک تعلق پہلے سے ہی قائم ہوتا ہے مگر یہ تعلق اُسی وقت مستحکم ہوگا جب قرآن کریم میں بیان کردہ اُن نسبتوں، رویوں اور اعمال کو جاننے کی کوشش کریں گے۔ اب چند ایسی آیات درج کرتے ہیں جنہیں سمجھنے سے تعلق باللہ کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔

إِنَّ صَلَاتِی وَنُسُکِی وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ o

ترجمہ: ''میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا، سب اللہ رب العالمین کیلئے ہے''۔ (انعام۔162)

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَo

''جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اِس پر ثابت قدم رہے یقیناً اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور اُن سے کہتے ہیں کہ مت ڈرو نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اُس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ (حم السجدہ:30)

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِo

''اور جو مومن ہیں وہ سب سے زیادہ محبت اللہ ہی سے کرتے ہیں''۔(البقرہ:165)

فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَداًo

''پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کا آرزو مند ہے اُسے چاہیے کہ وہ صالح اعمال بجا لائے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے''۔ (الکھف-110)

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَo

''بے شک اللہ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور محسن بھی ہیں''۔ (نحل-128)

اُعْبُدُ واللّٰہَ وَاجْتَنِبُوْا الطَّاغُوْتَo

''یعنی اللہ کی بندگی کرو اور شیطان سے اجتناب کرو''۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُوَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُo

''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں''۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُo

''اے نبی ﷺ انہیں بتایئے کہ اگر تم اللہ کی محبت حاصل کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو اِس طرح اللہ تم سے محبت کرے گا''۔

اِن چند آیات پر غور کرنے سے ہی اللہ تعالیٰ سے تعلق کی ٹھیک نوعیت اور نسبت واضح ہو جاتی ہے یعنی تعلق باللہ کو پیدا کرنے کی یہی صورت ہے کہ آدمی سچے دل سے اللہ وحدہٗ لاشریک کو اپنا اور پوری کائنات کا مالک و معبود مانے اور اپنا مطلوب و مقصود تسلیم کرے۔ مختصر یہ کہ قرآن کریم کی حقیقی غرض اور ارفع مقصد زندہ خدا سے زندہ رابطہ قائم کرنا ہے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ تعلق باللہ کس طرح بڑھتا ہے؟ اِس ضمن میں قرآن کریم میں ہمیں دو

احکام ساتھ ساتھ ملتے ہیں اور بار بار مختلف اسلوب میں بیان ہوئے وہ ہیں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ یعنی ذکر اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ یا اللہ کی یاد اور مخلوق خدا سے پیار یوں سمجھئے کہ اللہ رب العالمین نے اپنی محبت اور قرب کو حاصل کرنا اِن دو امور میں پوشیدہ کر دیا ہے۔ جو مسلمان اِن میں جس قدر کوشش کریگا وہ اتنا ہی مقرب بارگاہ الٰہی ہوتا چلا جائے گا۔

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا o

''جو لوگ ہم تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں ہم یقیناً انہیں اپنی طرف آنے والی راہیں دکھا دیتے ہیں'' (العنکبوت۔69)

اگر اس کے ساتھ اہل اللہ کی صحبت بھی میسر آ جائے تو ایسے خوش نصیب مسلمان کو قرب الٰہی کے طویل فاصلے بہ آسانی اور مختصر وقت میں طے ہو جاتے ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ!

کیمیا پیدا کن از مشت گلے
بوسہ زن بر آستانِ کاملے

یعنی اے مسلمان! تو کیا ہے؟ ایک مٹھی بھر مٹی ہی تو ہے اسے کیمیا میں بدل ڈال اِسکی واحد صورت یہ ہے کہ شیخ کامل کی صحبت اختیار کر۔

اب انتہائی اِختصار کے ساتھ چند آیات اور احادیث تحریر کرتے ہیں جو ذکر اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت و فضیلت اُجاگر کرتی ہیں جن پر عمل کرنے سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کے تقاضے پورے ہوتے ہیں اور تعلق باللہ مستحکم سے مستحکم تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے!

الم o ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ o الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ یُنْفِقُوْنَ o وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَیْکَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ o أُولٰئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأُولٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o إِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَاءٌ عَلَیْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ o خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ o

''الف، لام، میم۔ یہ اللہ کی کتاب ہے، اِس میں کوئی شک نہیں ہدایت ہے اُن پرہیزگار لوگوں کیلئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، جو رزق ہم نے اِن کو دیا ہے، اُس

Scanned with CamScanner

میں سے خرچ کرتے ہیں، جو کتاب آپ پر اور جو کتابیں آپ سے پہلے نازل کی گئی تھیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں ایسے لوگ اپنے رب کی طرف سے راہ راست پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔ جن لوگوں نے (ان باتوں کو تسلیم کرنے سے) انکار کر دیا، اُن کیلئے یکساں ہے خواہ آپ اُنہیں خبردار کریں یا نہ کریں بہر حال وہ ماننے والے نہیں ہیں۔ اللہ نے اِن کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور اِنکی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے وہ سخت سزا کے مستحق ہیں،،۔ (سورہ البقرۃ 7-1)

ترجمہ: ''البتہ متقی لوگ اُس روز باغوں اور چشموں میں ہوں گے جو کچھ اُن کا رب اُنہیں دے گا اسے خوشی خوشی لے رہے ہوں گے وہ اِس دن کے آنے سے پہلے نیکو کار تھے۔ راتوں کو کم ہی سوتے تھے اور رات کے پچھلے پہروں میں معافی مانگتے تھے اور اُن کے مالوں میں حق تھا سائل اور محروم کیلئے''۔ (سورۃ الذریت 19-15)

سورۃ البقرہ آیت 177 کا ترجمہ

''نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لئے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتابوں اور اِس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا مال رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کیلئے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلام کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اُسے وفا کریں اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق اور باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں''۔

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں جو لوگ ایسا کریں وہی نقصان اُٹھانے والے ہیں اور جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اُس میں سے خرچ کرو قبل اِس کے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے اور اُس وقت وہ کہے کہ ''اے میرے رب کیوں نہ تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دی کہ میں صدقہ دیتا اور صالح لوگوں میں شامل ہو جاتا'' (المنافقون۔10-9)

سورۃ المدثر ترجمہ آیات (47-40)

''جو جنتوں میں ہوں گے وہ مجرموں سے پوچھیں گے ''تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی'' وہ

کہیں گے ''ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور حق کے خلاف باتیں بنانے والوں کے ساتھ مل کر ہم بھی باتیں بنانے لگتے تھے اور روز جزا کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ ہمیں اُس یقینی چیز سے سابقہ پیش آ گیا''۔

لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا۝

ترجمہ: ''جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔ (الاحزاب 21)

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا۝ (المزمل-8)

اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو اور سب سے کٹ کر اُسی کے ہو رہو۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ۝ ''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا''

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (الانفال-45)

''اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ فلاح پا جاؤ،،

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۝

اور سجدہ کرو اور (اپنے رب کا) قرب حاصل کرو۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ چیز مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے کہ ذاکرین کے ساتھ صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک ذکر الٰہی کیا کروں۔ (بیہقی)

ترمذی شریف میں حضرت انسؓ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ روز محشر فرمائے گا اُس شخص کو آگ سے نکال دو جس نے صرف ایک دن مجھے یاد کیا یا میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۝ (سورہ اعلیٰ:15-14)

''فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی''۔

آنحضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ سے دریافت کیا کہ آج تم نے کس حال میں صبح کی؟ اُنہوں نے جواب دیا ''یا رسول اللہ آج میں نے ایک سچے مومن کی حالت میں صبح کی'' آپؐ نے دریافت فرمایا ''تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے کیونکہ ہر شے کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے''۔

اُنہوں نے جواب دیا یارسول اللہؐ ''میں نے اِس دنیا سے قطع نظر کرلی ہے میں نے دن میں بھوک پیاس برداشت کی (یعنی روزہ رکھا) رات کو قیام کیا (یعنی نوافل ادا کیے) میں نے قیام کے دوران میں ایسا محسوس کیا گویا عرش الٰہی میرے سامنے ہے۔ اہل جنت خوشیاں منا رہے ہیں اور اہل دوزخ فریاد کررہے ہیں''۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا ''تم ایسے مومن ہو جس کے دل کو اللہ نے منور کردیا ہے یہ حالت مبارک ہے تم نے ایمان کی حقیقت جان لی اِس پر قائم رہو''۔

حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے پاس کوہِ اُحد کے برابر بھی سونا ہو تو میں یہ پسند نہیں کرونگا کہ تہائی رات گذر جائے اور اِس میں سے کچھ بھی میرے پاس باقی رہے۔ (بخاری و مسلم)

بخاری اور نسائی میں عقبہ بن حارثؓ روایت کرتے ہیں کہ ''میں نے حضور ﷺ کے پیچھے نمازِ عصر ادا کی سلام پھیرتے ہی حضور ﷺ تیزی کے ساتھ لوگوں کو پھاندتے ہوئے بعض ازواج مطہرات کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ لوگوں پر اِس تیز رفتاری کی وجہ سے ایک دہشت طاری ہوگئی جب حضور ﷺ واپس تشریف لائے اور لوگوں کو اِس تیز روی سے دہشت زدہ سا محسوس کیا تو فرمایا کہ مجھے ایک سونے کا (ٹکڑا) ڈلا یاد آ گیا جو میرے پاس تھا مجھے یہ پسند نہ آیا کہ رات تک یہ میرے پاس رکھا رہے اِس لئے اِسے تقسیم کرنے کا حکم دے آیا''۔

خلیفہ دوم حضرت عمرؓ ہر وقت مخلوق کی خدمت میں سرگرم عمل رہتے تھے لیکن پھر بھی فرماتے تھے کہ جب کوئی شخص اللہ سے اپنی حاجات طلب کررہا ہوتا ہے تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اللہ سے میری شکایت کررہا ہے۔

اِن آیات و احادیث سے ثابت ہوا کہ ذکر اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ کے بغیر اللہ کا قرب حاصل نہیں ہوسکتا۔

اللہ رب العزت سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں زیادہ سے زیادہ اپنا ذکر کرنے والا اور اپنی راہ میں مال خرچ کرنے والا بندہ بنائے اور اِسکے بدلے میں اپنے مقرب بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

آپ کی صحت اور جیب کے دشمن

چائے، پان، سگریٹ

(محمد منصور الزماں صدیقی)

اسلام دین حق ہے اور یہ ہی انسان کی فلاح و بہبود کا واحد ذریعہ ہے۔

ہمارے دین میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تعلیمات کے ساتھ ذاتی اور نجی معاملات میں بھی واضح اور صاف ہدایات ہیں۔

اِن تعلیمات کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا خود ہمارے اپنے مفاد میں ہے۔ اسلامی تعلیمات مکمل اور واضح ہیں اور کیوں نہ ہو کہ یہ دین حق اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے اور یہ ہدایات اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں جو ہم سب کا خالق و مالک ہے۔

قرآنِ کریم کے احکامات کائنات کے تمام انسانوں اور جنوں کیلئے ہیں کسی خاص طبقہ اور فرقہ کیلئے مخصوص نہیں ہیں بلکہ ہر جن و بشر کیلئے یہ تعلیمات یکساں مفید ہیں۔ مسلمان خصوصی طور پر اِس کے پابند ہیں کہ اِس دین حق پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے ان پر خصوصی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اسلامی تعلیمات پر عمل کرے، اس کے فوائد حاصل کرسکتا ہے۔ معاشی مسائل کے حل کے طور پر سود، سٹہ، ذخیرہ اندوزی اور اسراف و بخل وغیرہ ممنوع اور حرام ہیں یہ دینی تعلیم ہمارے معاشرتی مسائل کے حل پیش کرتی ہے۔

اعتدال نصف معیشت ہے

اِسلامی تعلیمات کے مطابق سادگی، کفایت شعاری اور اعتدال کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہیے۔ ضروریاتِ زندگی کا حصول اور اِن کیلئے خرچ کرنا نہ صرف جائز بلکہ فرائض میں شامل ہے۔ لیکن عیش کوشی اور اسراف کی گنجائش نہیں ہے۔ جائز ضروریات کے حصول کیلئے کوشش کرنا بھی فرض ہے۔ اور جو شخص ضروری وسائل کے حاصل کرنے میں کسی وجہ سے ناکام رہے اُس کی امداد کیلئے زکوٰۃ، خیرات اور فطرہ وغیرہ کے اسلامی فنڈ قائم ہیں اور دوسرے سب مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ وہ ایسے ضرورت مند اور مستحق بھائی کی امداد کریں تاکہ وہ اپنی ضروریات پوری کر سکے۔ اِس کے برخلاف اسراف اور فضول خرچ کرنے والے لوگ

ناپسندیدہ قرار دیئے گئے ہیں۔ اِن کو شیطانوں کا بھائی کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں!

☆ اور قرابت داروں محتاجوں اور مسافروں کا حق (مالی یا غیر مالی) ادا کرتے رہنا۔ اور مال کو فضولیات میں نہ اُڑانا کہ فضول خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل ۱۵ / ۳)

ضرورت یا حماقت ضروریاتِ زندگی روٹی، کپڑا، مکان تعلیم وعلاج ومعالجہ کی حد تک محدود ہیں۔ اِن میں بھی سادگی اور کفایت شعاری کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ جیسی وسعت اور گنجائش عطا فرمائیں اِس کے مطابق آسائش بھی حاصل کی جا سکتی ہے لیکن آرائش اور نمائش کی گنجائش اجازت نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ ضروریات کا (جائز ذرائع سے) حصول فرض آسائش مباح اور نمائش حرام ہے۔

فی زمانہ ہماری ضروریات مصنوعی اور نقلی ہیں اصل ضروریات محدود اور ان کا حصول آسان ہے لیکن مصنوعی ضروریات جو ہماری زندگی کا جز بن گئی ہیں بے حد گراں اور دشوار طلب ہیں لیکن اِن پر غور و توجہ نہیں ہے جس کی وجہ سے نہ صرف فردِ واحد بلکہ پوری قوم اور ملک اقتصادی اور معاشی اُلجھنوں میں گرفتار ہے۔ پاکستانی قوم دُنیا کی سب سے زیادہ مقروض قوموں میں شمار کی جاتی ہے اِس کی وجہ صرف بے اعتدالی اور اسراف ہے۔

یہ بے اعتدالی ذاتی اور اجتماعی دونوں صورتوں میں جاری ہے۔ غیر ضروری اخراجات میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے جس کے خاطر ناجائز اور حرام آمدنی کے حصول کو شیر مادر تصور کر لیا گیا ہے۔ سرکاری دفاتر اور محکمہ جات رشوت کی آماجگاہ اور بڑے تاجر سود، سٹہ، ذخیرہ اندوزی، چور بازاری اور ملاوٹ میں سر سے پیر تک غرق ہیں۔ عام آدمی حلال وحرام کی تمیز کھو بیٹھا ہے۔ اِس کی اصل وجہ غیر ضروری اخراجات اور نمائش کا جذبہ ہے۔

شادی و بیاہ اور مرگ سوگ پر خود ساختہ رسومات کو ضروری قرار دینا اور بعض صورتوں میں شرعی جواز پیدا کر لینا معیشت کی تباہی اور بدعات کا ذریعہ ہے اور گناہ کا موجب ہے۔ گھریلو زندگی اور عام معاشرتی طریقوں میں اغیار کی نقالی میں ایسی اشیاء کا اِستعمال جڑ پکڑ گیا ہے کہ جس

کے بغیر زندگی ادھوری اور نامکمل تصور کی جاتی ہے۔ یہ جدید تہذیب یورپ کی نقالی میں معاشرہ کا جز بن گئی ہے اِس کو Modren Living کا خطاب دیا گیا ہے گویا ہمارے آباؤ اجداد جس طرز سے زندگی گزارتے تھے وہ تہذیب سے بعید تھا۔

بہر کیف یہاں قدیم و جدید تہذیب کا موازنہ مقصود نہیں اور نہ ہی اپنی تاریخ بیان کرنا مطلوب ہے بلکہ چند غیر ضروری اور نقصان دہ عادتوں پر توجہ مبذول کرانا ہے جو غیر ضروری ہونے کے باوجود ضروریاتِ زندگی میں شامل کر لی گئی ہیں اور ہر قیمت پر اِن کا استعمال لازم قرار دے لیا گیا ہے جیسا کہ چاء، پان اور سگریٹ وغیرہ ہیں۔ جو غیر ضروری اور نقصان دہ ہیں ان کا استعمال محض حماقت ہے۔

غذا نہیں عادت ہے چاء ہمارے ملک کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ ہندوستان میں اِس کا تعارف انگریزوں کے ذریعہ ہوا تھا آج سے تقریباً ستر برس قبل تک اِس کا استعمال محدود تھا اور اس کو نقصان دہ سمجھا جاتا تھا۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ چاء عام حالات میں نقصان دہ ہے یہ کوئی غذا نہیں ہے بلکہ اِس کو بطور دوا اِستعمال کرنا چاہیے اِس کا مقصد دورانِ خون کو تیز کرنا ہے۔ جو ضعیف العمری میں یا بیمار اور کمزور افراد کیلئے مفید ہو سکتا ہے۔ چاء کا زیادہ استعمال خشکی پیدا کرتا ہے۔ بھوک اور نیند دونوں کم ہو جاتی ہیں جس کی وجہ یہ خشکی ہے۔ صحت کیلئے غذا اور نیند دونوں ضروری ہیں۔ لیکن چاء کی عادت ہو جانے کے بعد اِس نقصان یا تکلیف پر غور نہیں کیا جاتا جس کا نتیجہ امراض کی صورت میں نکلتا ہے۔

تجارت کا کمال ہے چاء کا اِستعمال اور اِس کو ضروریاتِ زندگی میں شامل کر دینا تجارت کا کمال ہے غیر ملکی تاجروں نے اپنے منافع کیلئے پاک و ہند میں اِس کو متعارف کرایا اور مسلسل تشہیر اور اشتہار بازی سے اِس درجہ پر پہنچا دیا کہ آج تمام دُنیا چاء کی طالب ہے۔

راقم کو بخوبی یاد ہے کہ ۱۹۳۰ء کو بڑے بڑے شہروں میں شارع عام پر یا تفریحی مقامات پر چاء کے تاجروں کی طرف سے مفت چاء تقسیم کی جاتی تھی۔ ۱۹۳۰ء میں دہلی کی جامع مسجد کے

سامنے پریڈ کے میدان میں متعدد کمپنیوں کی جانب سے اسٹال لگائے جاتے تھے جہاں عمدہ اور نفیس چاء تیار کر کے مفت پلائی جاتی تھی۔ آپ یقین کریں کہ مفت پیش کئے جانے کے باوجود یہ اسٹال غیر آباد نظر آتے تھے صرف بچے تفریحاً مال مفت سمجھ کر شوق کر لیتے تھے جو ایک طرح کا جرم تھا جس کا تذکرہ بزرگوں سے نہیں کیا جاتا تھا۔

احقر بھی ایک مرتبہ فیضیاب ہوا اور جب گھر جا کر تذکرہ کیا کہ آج یہ کارنامہ انجام دیا ہے تو سب بزرگ خواتین نے سرزنش کی کہ بچے چاء نہیں پیتے یہ خون جلاتی ہے اس سے خشکی ہو جاتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

دیہات میں چاء چاء مالِ تجارت کی طرح پیش کی گئی، مفت تقسیم کی گئی اور اس طریقہ سے باکمال تاجروں نے ضروریاتِ زندگی میں شامل کرادیا اور اب کوئی گھر کوئی فرد اس سے بچا ہوا نہیں ہے۔ شیر خوار بچے سے لے کر ضعیف العمر انسان تک یکساں اس کا شوق کرتے ہیں۔

جنگ عالمگیر ۱۹۳۹ء سے قبل چاء صرف بڑے شہروں تک پہنچی تھی لیکن آج دیہاتوں میں بھی یہ حرزِ جاں بن گئی ہے اب تو اشتہار اور پبلسٹی میں دیہاتی ماحول ہی پیش کیا جاتا ہے گویا شہر تو قابو آچکے ہیں اب اگر کوئی گنجائش ہے تو دُور دراز کے دیہات ہی ہیں جہاں ممکن ہے کوئی گھر اس کے استعمال سے بچا ہو۔

کئی ارب روپیہ کا زرمبادلہ کیا واقعی چاء ضروریات زندگی میں شامل کر لینا ضروری ہے؟ ایسی صورت میں جبکہ یہ غیر ممالک سے درآمد کی جاتی ہے۔ ۲۹ جنوری ۱۹۷۹ء کو مرکزی وزیر تجارت نے پریس کانفرنس میں بتایا کہ چھ ماہ میں پچاس کروڑ روپیہ کی چاء برآمد ہوئی ہے جبکہ پہلے چھ ماہ میں ستر کروڑ کی چاء منگوائی گئی تھی گویا اوسطاً ایک ارب روپیہ سے زیادہ کی چاء سالانہ امپورٹ، کی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ دودھ اور چینی کی قیمت الگ ہے چونکہ اب دودھ کا پوڈر بھی امپورٹ ہو رہا ہے۔ اس لئے زرمبادلہ میں یہ بھی شامل ہے۔ (تقریباً تیس سال کے بعد یہ اعداد و شمار کئی سو گنا بڑھ چکے ہیں)

کئی ارب روپیہ سالانہ کا زرمبادلہ ایک ایسی چیز پر خرچ ہو رہا ہے جس کا استعمال کسی صورت

میں مفید نہیں ہے جو صرف پچاس برس قبل تاجروں کے ذریعہ متعارف کرائی گئی تھے اور مسلسل پروپیگنڈہ اور پبلسٹی کے ذریعہ ہماری ضروریات میں شامل کرادی گئی۔ نئی نسل میں چاء کا استعمال فیشن کے طور پر شروع ہوا لیکن اب عادت بن گئی اور گراں قیمت ادا کر کے بھی چاء کی طلب پوری کی جاتی ہے۔ مہمان کی خاطر تواضع بھی اِسی کے ذریعہ ہوتی ہے گویا ضروریاتِ زندگی میں شامل ہے۔

چاء کے بعد کوفی چاء کے ساتھ کوکو۔ کوفی۔ چاکلیٹ وغیرہ کا اِستعمال بھی بڑھتا جارہا ہے۔ ۱۹۶۷ء میں دہلی جانا ہوا تو ۱۹۳۰ء کا زمانہ یاد آ گیا اُس وقت چاء مفت پلائی جاتی تھی اب کوفی پیش کی جارہی تھی۔ نئی دہلی کے بڑے اسٹور اور سپر مارکیٹ نیز سرکاری دفاتر میں مفت کوفی پیش کی جارہی تھی۔

انڈین کوفی بورڈ کی جانب سے پیش کردہ تیار شدہ کافی تازی اور گرم ہر جگہ حاضر ہے۔ مشین سے نکالئے اور گتہ کے گلاس میں استعمال کیجئے۔ ظاہر ہے یہ بھی کوفی کو مقبول بنانے اور عوام کو اس کا عادی بنانے کیلئے تھا۔

ہندوستان میں چاء اور کوکو، کوفی وغیرہ کی پیداوار ہوتی ہے بنگلہ دیش تو چاء کا گھر ہے۔ وہاں چاء کے باغات ہیں اور یہ وہاں کی برآمدات کا حصہ ہے اِس لئے مقابلتاً ان دونوں ملکوں میں قیمت بھی کم ہے اور زرِ مبادلہ کا مسئلہ بھی نہیں ہے۔ مقامی پیداوار ہے لیکن ہم پاکستانی اِس سلسلہ میں درآمد کے محتاج ہیں۔ ہمیں بہرحال چاء درآمد کرنی پڑتی ہے۔ جس کیلئے قیمتی زرِ مبادلہ ادا کرنا پڑتا ہے۔

(جاری ہے)

پہلا پیام

(حاجی محمد اقبال)

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ o

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اِک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

جبل نور کا بلند پہاڑ ہے۔ اِس کی بلند چوٹی پر ایک مختصر غار صدیوں سے کسی کی منتظر تھی۔ اِس سے پہلے یہاں کوئی نہ آیا تھا۔

لیکن اب۔۔۔ کچھ عرصہ سے ایک اعلیٰ شخصیت اِس غار میں کسی کی متلاشی تھی اِس ہستی کا شہر مکہ میں اپنا گھر، بیوی اور بچے بھی تھے۔ لیکن وہ ہستی سب آسائشوں کے باوجود مضطرب ہے۔ اُس کا دل پریشان ہے۔ اِس کی فکر کائنات میں کسی حقیقت کی تلاش میں ہے۔

یا الٰہی تیرے اِک عاجز بندے کو حقیقی سکون کی تلاش ہے۔ وہ حقیقت کیا ہے؟۔ کہاں ہے؟ جو میرے قلب میں رحم و شفقت سے بھرپور اور اطمینانِ قلب کی پُر سرور پکار بن کر گونجتی ہے۔

اُس ہستی نے پکارا اے عظیم پروردگار تو کہاں ہے! اے روشنی میں تیری تلاش میں اِس غار تک پہنچ گیا ہوں۔ اب اِس ہستی کو ایک شے ملی۔ جو نشانِ بندگی ہے، سجدہ عبودیت ہے اب یہ ہستی ساری رات کھڑے کھڑے گذارتی اور لمبے لمبے سجدے کرتی۔

جب یہ ہستی سر بسجود ہوتی تو سکون مل جاتا اُن کے سکون کا سب سے بڑا مرکز "سجدہ" ہی تو تھا۔ غارِ حرا میں یہ سجدہ بندگی کا سارا عجز سمیٹ کر خالق حقیقی کی نذر کر دیا کرتے۔

اب سارا سکون اِس پہاڑ کی کھوہ میں سمٹ آیا۔ لیکن اب بھی کسی کی تلاش اور ذہن کو کسی کی جستجو تھی۔

غار میں مقیم ہستی کو۔۔۔ کسی کی آمد کا احساس ہے۔ میرے مالک! تو کہاں ہے؟ تیرا بندہ تیری تلاش میں سرگرداں ہے۔ میں حاضر ہوں میرے مالک!!۔۔ مجھے تیرے پانے کی جستجو

ہے۔ میں تیری رضا کی خاطر یہاں چلا آیا۔ میں تیرا متلاشی ہوں میری پیشانی تیرے سامنے خاک آلود ہے۔ میں تجھے پالینے کیلئے بیقرار ہوں۔

اِس غار میں۔۔۔ تنہا عشق اپنی منزل عبور کر رہا تھا۔ اس غار میں اس ہستی کے علاوہ بھی کوئی بھی تو نہ آیا تھا۔ مگر یہ ہستی بھی کسی کی آمد کی منتظر رہی۔

بس پھر کوئی آیا۔۔۔ جس کی آمد کی پہلے کوئی خبر یا اطلاع نہ تھی آنے والا نہ ہم جنس تھا۔ نہ ہمسایہ تھا۔ لیکن آنے والا بہت زیادہ اپنا بن کر آیا۔ اور سب سے قریب بن کر آیا۔

آنے والا تو۔۔۔ شہ رگ سے زیادہ قریب کا ایلچی بن کر آیا۔ اور آتے ہی اُس نے ایک بات کہہ دی۔ کہا ''پڑھ اپنے رب کے نام سے'' اِدھر سے جواب ملا۔۔ کہ ''میں تو پڑھا ہوا نہیں۔ اُمی ہوں''۔

مگر آنے والے نے یہ سن کر۔۔ حق کے متلاشی کو پکڑ کر محبت بھرے زور سے بھینچا۔ اور پھر چھوڑ کر کہا۔

رب کے نام سے پڑھ ''جس نے پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون کے لوتھڑے سے''۔

یہ باتیں سکھا کر۔۔۔ آنے والا اچانک نظروں سے غائب ہو گیا لیکن ''حقیقت منکشف'' ہو گئی۔

''پیدا کرنے والا ہی درحقیقت رب تھا''۔

اب حقیقت ۔۔۔ واضح ہو گئی تھی۔ مگر بڑا انوکھا تجربہ تھا خدا کی یہ نیک ہستی اِس تجربے سے سہم گئی۔ اب غار میں مزید ٹھہرنا ممکن نہ تھا۔ اب آپ ﷺ پہاڑ سے اُتر کر گھر تشریف لائے۔ مگر سہمے سہمے، گھبرائے گھبرائے، پریشان اور قدرے خوفزدہ تھے۔

بس مالک کا۔۔۔ اپنے خاص بندوں سے رابطے کا یہی طریقہ اور یہی ذریعہ تھا گھر آ کر اپنی فرمانبردار زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا۔ ''مجھے کمبل اُوڑھا دو'' جب ذرا سکون ہوا۔ تو محرمِ راز کو تمام واقعہ سنایا اور فرمایا۔ اے خدیجہؓ مجھے کیا ہو گیا۔

فرمانبردار بیوی نے کہا۔۔۔گھبرائیں مت! بلکہ خوش ہو جائیں۔ خدا آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا آپ رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں۔ لوگوں کی امانتیں واپس کردیتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں۔

بس اب کیا تھا۔۔آپ ﷺ تو غیر محسوس طور پر اِس انوکھے تجربے کا انتظار کرنے لگے۔ غارِ حرا کی عبادت اور وہاں کی آمد و رفت میں اضافہ ہو گیا۔ اور آپ آنے والے کے "دوبارہ" منتظر تھے۔

اب پھر آنے والا آیا۔۔۔اور کہا "کمبل پوش" اُٹھ! اور لوگوں کو اپنے رب سے ڈرا۔ اور اِس کی بڑھائی بیان کر۔ جو سب کا مالک خالق اور رازق ہے۔

یوں اللہ کی بڑائی بیان کرنے۔ اِسکی کبریائی کا سکہ بٹھانے۔ شرک کی گندگی کو مٹانے کیلئے آپ ﷺ کمربستہ ہو گئے۔

تنہا ایک ہستی۔۔۔جو انسانی بشر کے روپ میں تھی۔ تنہا رب کائنات کے نمائندے بن کر کھڑے ہوئے۔ یہ مقابلہ بڑا ہی عجیب تھا۔ ایک طرف پوری قوم۔ دوسری طرف اللہ کیلئے پیغمبر ﷺ تھے۔

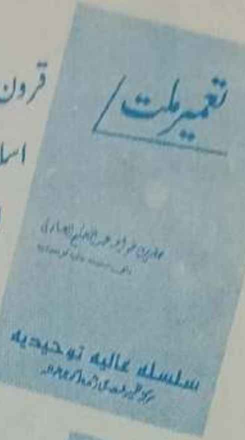
آپ ﷺ ۔۔کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا۔ مگر صبر کا ہتھیار اور ایمان کا ہتھوڑا تھا جس پر اخلاق کا دستہ تھا۔ دل میں عمل صالح کا مضبوط قلعہ تھا۔ جس پر آپ کاربند تھے۔

اللہ۔۔۔وحدہٗ لاشریک ہے یہ باری تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت تھی۔ کہ محمد ﷺ اللہ کے برگزیدہ آخری رسول ہیں۔ گویا اللہ اور اِسکے رسول ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت تھی۔

یہی دعوت متکبر، مفاد پرست، جاہ پسند، ہٹ دھرم، ضدی اور خوشامد پسند انسان کو تھی۔ بظاہر مادی فوائد کا کوئی وعدہ نہ تھا۔

آپ ﷺ ۔۔۔اللہ کی طرف سے مامور تھے۔ اللہ حق اور باطل کو ٹکراتا ہے۔ تاکہ حق پوری قوت اور توانائی کے ساتھ غالب آئے اور باطل پورے کھوٹ کے ساتھ تباہ ہو۔ یہی مشن والئی غار کا رہا۔ آخر باطل کو شکست اور حق کو فتح ہوئی۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال و انحطاط کی وجوہات اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے انمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک و تصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد و اذکار اور اعمال و اشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



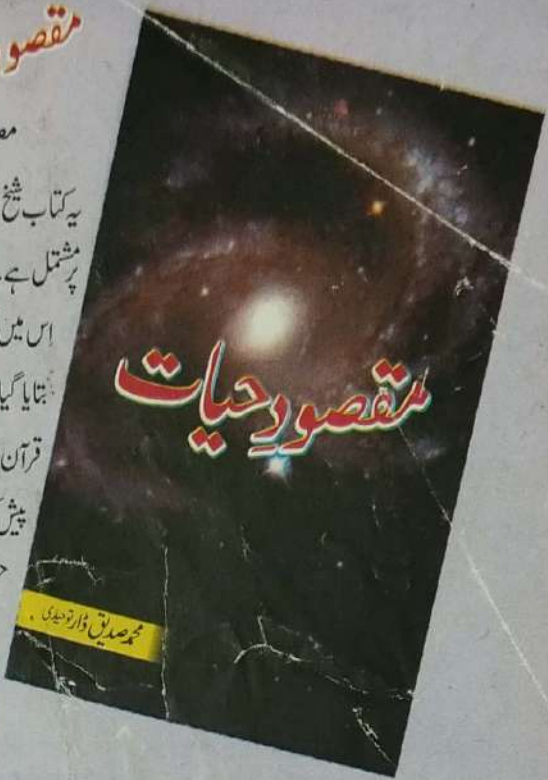
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

مقصودِ حیات

مصنف: محمد صدیق ڈار توحیدی (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

یہ کتاب شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کے سالانہ خطبات پر مشتمل ہے۔ جو انہوں نے سلسلہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے۔ اس میں تصوف کی تعلیمات کو قرآن کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ تصوف اسلام اور قرآن سے باہر کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ عین قرآن کے احکامات کا نام ہے اور قرآن جس طرح کے بندہ مومن کی تصویر پیش کرتا ہے وہ بلاشبہ ایک سچے صوفی کا ہی روپ ہے۔ قرآن پاک کے حقیقی پیغام کو آسان پیرائے میں سمجھنے کیلئے یہ کتاب سالکان راہ حق کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔

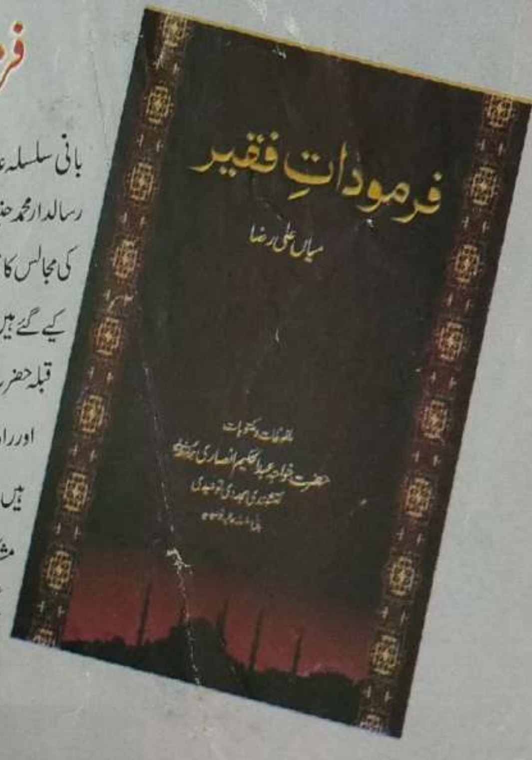


فرمودات فقیر

مرتب: میاں علی رضا

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ، خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اور آپ کے دوست اور محسن رسالدار محمد حنیف خانؒ کی سوانح حیات کیساتھ اس کتاب میں قبلہ انصاری صاحبؒ کی مجالس کا تذکرہ اور اپنے مریدوں کو مختلف اوقات میں لکھے ہوئے خطوط شامل کیے گئے ہیں۔

قبلہ حضرت کی مجالس میں بیان کیے گئے چھوٹے چھوٹے واقعات نہایت سبق آموز اور راہ سلوک کے مسافروں کے علاوہ عام قارئین کیلئے بھی یکساں دلچسپی کا باعث ہیں۔ آپکے لکھے ہوئے جوابی خطوط میں بھائیوں کیلئے دینی و دنیاوی اور روحانی مشکلات کے حل کا سامان موجود ہے۔ نہ صرف ان کیلئے جن کو یہ خطوط لکھے گئے بلکہ اب بھی ہر پڑھنے والے کیلئے فائدے کا سبب ہیں۔



Reg: SR - 01

Website: www.toheedia.net